جلد 11 شمارہ 6 اپریل 2009ء ربیع الثانی 1430ھ

ماہنامہ

منشور دعوت

يُولِجُ الَّيۡلَ فِى النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِى الَّيۡلِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ كُلٌّ يَّجۡرِىۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ لَهُ الۡمُلۡكُ ؕ وَالَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مَا يَمۡلِكُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِيۡرٍ ۞

(فاطر۔13)

ترجمہ

وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور اُسی نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے۔ ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ اُسی کی بادشاہی ہے۔ اور جن کو تم اُسے چھوڑ کر پکارتے ہو اُن کی ملکیت میں تو کھجور کی گُٹھلی کا چھلکا بھی نہیں ہے۔

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-3003304

رابطہ مدیر: 0321-6400942

فیکس نمبر: +92-55-3736841

ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— -/20 روپے

سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

دل کی بات

اللہ تعالٰی نے قرآن میں مومنین کی ایک اعلٰی صفت ''ایثار'' کا کثرت سے ذکر کیا ہے کہ ''بندہ مومن اپنی جان پر اپنے دوسرے بھائی کو ترجیح دیتا ہے۔ چاہے وہ خود بھی حاجت مند ہو۔ جو نفس کی تنگی سے نجات پا گیا وہی فلاح پانے والا ہے'' (بحوالہ سورۃ حشر)

ایثار ایک ایسی اعلٰی اخلاقی صفت ہے کہ جسکے حامل بڑے حوصلے کے مالک ہوتے ہیں ہمارے ہاں کسی دوسرے شخص کو ایک جائز حصہ دیتے ہوئے بھی کلیجے کو ہاتھ پڑتا ہے چہ جائیکہ اپنی ضرورت کو قربان کرنا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کام کوئی اتنا آسان نہیں۔ ''ایثار'' اللہ کا خاص الخاص تحفہ ہے جو اُن لوگوں کو عطا ہوتا ہے جو اللہ سے محبت کرنیوالے ہیں اور جواب میں اللہ ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کے دل میں بے نیازی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنا سب کچھ اپنے محبوب آقا کے قدموں پر نچھاور کر کے بھی کسی ملال کو دل میں جگہ نہیں دیتے بلکہ مسرور ہوتے ہیں کہ انہیں مالک کے نام پر کچھ قربان کرنیکا موقع ملا ہے۔ دوسروں کو دکھانے کیلئے یا اپنے نام نمود کی خواہش کا ''ایثار'' کے جذبے میں دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ریا کار آدمی اگر کسی کی ضرورت پوری کریگا بھی تو اپنے زائد مال سے، اپنی ضرورت کو قربان کرنیکا حوصلہ ریا کار کے بس کی بات نہیں اِسکے لئے ''دل'' چاہیے جس میں اِسکے محبوب مالک کی تصویر سجی ہو۔ خون کو پمپ کرنے والا آلہ یہ کام نہیں کر سکتا۔

اللہ سے محبت کرنیوالے صحابہ کرامؓ کے اندر ایثار و باہمی قربانی کا یہ جذبہ اپنے معراج پر تھا کہ جن میں ہر ایک کی خواہش تھی کہ دوسرے کا فائدہ ہو جائے۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر جسطرح انصار نے مہاجرین کیلئے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔ میدان جنگ میں موت کے منہ میں جانے والے کو دوسرے کی پیاس کا اتنا احساس ہے کہ اپنا آپ اُسکی پیاس پر قربان کر دیا۔ آقا سواری کو استعمال کرنے کی بجائے غلام کو ترجیح دیتا ہے، بازار میں سے کوئی چیز خریدنی ہو تو غلام کیلئے اپنی جیسی خریدنے کی بجائے اپنے سے افضل اِسکو دلواتا ہے۔ غرضیکہ ایسی بے تحاشہ مثالیں۔ اب اس تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں کہ یہ وہی لوگ ہیں کہ ایک ایک پیسہ کی تقسیم

پر خون کی ندیاں بہاتے تھے۔ ایک فریق کے جانور نے پہلے پانی پی لیا تو اس بات پر 40 سال جنگ جاری رہتی ہے۔ ایک فریق کا کھیل میں گھوڑا آگے نکل گیا ہے تو آدھی صدی اس جنگ کی نظر ہوگئی۔

کبھی پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
کبھی گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا

ہمارے غور کرنیکی بات یہ ہے ایسی معجزانہ تبدیلی اتنی جلدی کیونکر ممکن ہوئی۔ اسکا واحد جواب ہے آپؐ کی سنگت وصحبت، آپؐ کی بعثت کا ایک مقصد اللہ نے یہ بتایا ہے، آپؐ ''تزکیہ'' کرتے ہیں، تزکیہ یہ نہیں کہ خالی خولی الفاظ سنا کر توقع کی جائے کہ آنیوالا اپنی اصلاح کر لے گا اور اپنا راستہ بدل لے گا۔ بلکہ اپنی روحانی طاقت (جو کہ اللہ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے) سے دوسروں کے دلوں پر گناہوں کا جو زنگ چڑھ چکا ہے اِسے اُتارنا ہے، اِسی لئے نبی کریمؐ کے متعلق مکہ کے مشرکوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ آپؐ (نعوذ باللہ) جادوگر ہیں اور کوئی آپؐ کی بات نہ سُنے اور نہ آپؐ سے بات کرے اِسی لئے باہر سے آنیوالے اجنبی اپنے کانوں میں اُنگلیاں دے لیتے کہ مبادا وہ آپؐ کے حصار میں نہ آجائیں۔ یہ آپؐ ہی کی نظر رحمت تھی جو آنیوالوں کا دل موہ لیتی اور اُسکی سابقہ سیاہی نہ صرف دور ہو جاتی بلکہ نور میں بدل جاتی (یہ علیحدہ بات ہے جسکے مقدر میں اللہ نے ہدایت نہ لکھی ہو یا وہ اسکا طلبگار نہ ہو وہ اِس سے محروم رہتا ہے) اور اِس میں ساری مومنانہ صفات اسکے رُوحانی ہیت کے مطابق جلوہ گر ہو جائیں۔ اِسی فیض نظر کے متعلق شاعر نے لکھا ہے۔

جو خود نہ تھے راہ پر اوروں کے راہبر بن گئے
وہ کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

یہی نظر ہے جو ''حقیقی تبدیلی'' کا سبب ہے اور انسان اپنے مالک کی پہچان حاصل کرنیکی راہ پر چل پڑتا ہے، اِسکے سامنے اپنی ذات کی حقیقت کھل جاتی ہے اور تبھی وہ ''حقیقی ایثار'' کا مظاہرہ پیش کر سکتا ہے۔ خالی باتیں سن لینے یا کر لینے، یا کتابیں پڑھکر اِس ایثار کی توقع عبث ہے۔

حقیقی تبدیلی پیدا کرنیوالی یہی ''نظر'' آج مفقود ہو چکی ہے۔ ہر طرف لفاظی اور قیل وقال کا دور دورہ ہے۔ اِن حالات میں ہمارا سلسلۂ توحیدیہ سے منسلک ہونا ہم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا ثبوت ہے۔ اللہ نے قبلہ عبدالحکیم انصاریؒ اور بابا جی محمد صدیق ڈار کی صورت میں ہم پر جو احسان عظیم فرمایا ہے یہ اُسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے بھائیوں میں ایثار وقربانی کا وہی جذبہ موجود ہے جو ایک مومن کا خاصہ ہے اور حقیقی تبدیلی کا عکاس ہے۔ ہمارے بہت سے بھائی ایسے ہیں جو خود اپنی تبدیلی پر خوشگوار حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ کچھ عرصہ پہلے تک تو وہ ایسے کھلے دل کا اظہار اپنے سگے عزیزوں کیلئے نہ کر سکتے تھے مگر اب وہ اُن لوگوں کیلئے قربانی کا جذبہ اپنے دل میں پاتے ہیں جنکے ساتھ انکا رشتہ محض اللہ کے نام پر ہے۔ یہ ہے وہ تبدیلی جسکے پیچھے ایک عارف باللہ کی نظر کارفرما ہے (اب وہ بھائی جو اپنے اندر اس معیار کی تبدیلی نہیں پاتے انہیں فکر کرنی چاہیے کہ وہ بابا جان کی صُحبت کا حق ادا نہیں کر رہے اور اپنا نقصان کر رہے ہیں) اور اِس کا اجتماعی مظاہرہ انشاء اللہ سلسلۂ توحیدیہ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر دیکھا جا سکتا ہے۔ جہاں پر بھائی اپنے دل میں اللہ کی یاد بسائے دوسرے بھائی کو اپنی جان پر مقدم رکھتا ہے۔

والسلام

احمد رضا

درس قرآن

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک

ابلیس کا چیلنج

ان حقائق کے ذکر کے بعد پھر تدبر کی دعوت کے لئے اقوام سابقہ کا اجمالاً اور قوم ثمود کا وضاحتاً ذکر ہے۔ پھر عظمت آدم اور ابلیس کے اس حسد کا تذکرہ ہے۔

لاحتنکن ذریته الاقلیلاo (بنی اسرائیل:65)

''میں تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ اس کی اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔''

باری تعالیٰ نے اس کے اس چیلنج کے جواب میں فرمایا:

ان عبادی لیس لك علیهم سلطن (بنی اسرائیل)

''جو میرے بندے ہیں، ان پر تیرا کوئی زور نہ چلے گا۔''

ابلیسی چیلنج کا مقابلہ کیسے ہو؟

گویا شیطانی حملے سے بچاؤ کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے خالق کے بندے بن جائیں اور یہ بات کوئی ایسی مشکل بھی نہیں۔ بڑا آسان سا معاملہ ہے۔ ہم اپنی زندگی کو اپنی خواہش کی بجائے اللہ کے حکم کے مطابق گزارنے لگیں تو ہم اس کے بندے بن جائیں گے اور اس میں مزید لطف کی بات یہ ہے کہ پھر ہم جواب طلبی سے بھی ایک حد تک محفوظ ہو جائیں گے کیونکہ ہم نے تو کوئی عمل اپنی مرضی سے کیا ہی نہیں ہوگا، جو رب کا حکم تھا، ہم نے وہی کیا اور یہی بندگی ہے اور اسی بندگی کے جواب میں انعام ہوا۔

بنی آدم کی تکریم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولقد کرمنا بنی ادم وحملنهم فی البر والبحر ورزقنهم من الطیبت وفضلنهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاo (بنی اسرائیل:70)

''اور ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی۔ ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور ہم نے ان کو پاکیزہ روزی بھی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو فضیلت دی۔

انسان نے اپنے مقام کو بہت حد تک گرا دیا تھا۔ یہاں پھر اس کے بلند اور صحیح مقام کا ذکر ہوا

کیونکہ انسان نے اپنے آپ کوذات پات کی بندشوں کی بنیاد پرکئی ذاتوں میں تقسیم کرلیااور یہ عقیدہ گھڑا کہ کچھ لوگ بھگوان کےسر سے پیدا ہوئے ہیں۔کچھ بھگوان کے پاؤں سے۔جوسر سے پیدا ہوئے ہیں، وہ ہمیشہ کے لئے پاک اور پوتر ہیں۔وہ چوری کریں، جھوٹ بولیں،شراب پئیں، زنا کریں،وہ پاک کے پاک ہیں اور بیچارے شودر جوپاؤں سے پیدا ہوئے ہیں، وہ ہمیشہ ناپاک ہیں۔کیونکہ وہ پیدا ہی ناپاک ہوئے ہیں۔(لاحول ولاقوۃ الاباللہ)دوسری جانب یہ عقیدہ گھڑا گیا کہ حضرت آدمؑ سے لغزش ہوئی اور یہ لغزش ایسا گناہ ہے جونسل درنسل، پشت درپشت منتقل ہوتے ہوتے ہم تک پہنچ گیا ہے۔وہ گناہ اتنا بڑا تھا کہ کروڑوں انسانوں میں تقسیم ہوکربھی وہ تحلیل نہیں ہوا وہ اتنا بڑا گناہ تھا کہ ہمارے بابا آدم علیہ السلام سالہا سال تک روئے،معافیاں مانگیں مگر معاف ہی نہیں ہوا۔اس سے یہ نظریہ بنالیا کہ انسان پیدائشی گناہ گار ہے(Born Sinner) ہےاور تقسیم یوں کی کہ مرد انسان تو پیدائشی گناہ گار ہے!رہ گئی عورت تو وہ شیطان کا روپ ہے، (لاحول ولاقوۃ الاباللہ)۔

چنانچہ حضورؐ کی بعثت سے پہلے ہر وہ شخص جوروحانی پیشوا ہوتا،وہ کبھی شادی نہ کرتا تھا۔عورت اس کونظر آتی تو آنکھیں پھوڑلیتا کہ اس نظر سے میری ساری روحانیت برباد ہوگئی۔عورت کے قریب ہوناتو کجااس کے سائے کے پاس سے بھی نہیں گزرتا تھا۔اس لئے کہ عورت کوشیطان کا روپ سمجھتا تھا۔لیکن اس نے یہ ہرگز نہ سوچا کہ اے نا سمجھ!اسی عورت سے تو تو پیدا ہوا ہے۔یہ تیری ماں کا روپ ہے، تیری بیٹی ہے، تیری بہن ہےاور تیری بیوی بھی ہوسکتی ہے۔اتنے مقدس رشتے ہیں اور پھر نا سمجھ عورت کو منحوس کہتا ہے۔

جاہلوں نے انسان کا رتبہ ایک معمہ بنادیا۔اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو بھیجا تو انسان کی اس تکریم کاذکرفرمایا کیونکہ اس سے پہلے بھی اوراس کے بعد بھی انسان کو یہ عزت نہ مل سکی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے(ولقد کرمنابنی آدم) کہ ہم نے بنی آدم کوعزت بخشی۔

یہاں رک کرپھرغور فرمائیے کہ یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے ولی کوعزت بخشی ،یا ہم نے نبی کویا رسول کوعزت بخشی یا ہم نے مومن کواور مسلمان کوعزت بخشی بلکہ سب ہی انسانوں کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے بنی نوع انسان کوعزت بخشی۔یہ عزت کا پرتو ہی ہے کہ ہم انسان کوخشکی، تری اور ہواؤں میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ہم نے اس کو اپنا خلیفہ اور نائب بنایا۔اختیارات دیئے،امانت

عطا کی یعنی انسان ہماراامانت دار ہے۔ہم نے ایسی امانت اس کے حوالے کی جو آسمانوں، پہاڑوں اور زمین کو پیش کی تو سارے ہی ڈر کے بھاگ گئے، کسی نے بھی اس امانت کا بوجھ نہ اٹھایا۔جبکہ انسان نے اس امانت کو اٹھالیا اور انسان امانت دار بن گیا یعنی اللہ تعالیٰ کا ٹرسٹی (Trustee) ہے۔ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وسخرلکم مافی السموت ومافی الارض جمیعاً منه ۔

''آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے، اُسے ہم نے تمہارا تابع کر دیا۔'' (الجاثیہ:13)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عزت عطا کی ہے، وہ حضورﷺ اور قرآن مجید کے ذریعے ملی۔ کسی اور مذہب، کسی اور معاشرے میں انسان کو یہ عزت عطا نہیں کی گئی۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زندگی کے سارے معاملات ہی میں قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے اور اس کی روشنی میں چلنے کا حکم دیا ہے۔

بدقسمت انسان کون؟

اگر کوئی محروم انسان اپنی بدبختی کے باعث اس کے قریب نہ آنا چاہے تو اس کے لئے ان الفاظ میں وعید مذکور ہے:

ومن کان فی هذه اعمی فهوفی الاخرة اعمی واضل سبیلاo (بنی اسرائیل:72)

''اور جو اس دنیا میں اندھا بن کے رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا بلکہ راستہ پانے میں اندھے سے بھی زیادہ ناکام۔''

یہ آیت کریمہ ہمیں لرزا دینے کے لئے کافی ہے کہ ہم اس دنیا میں پیغام ربانی سے جان بوجھ کر اندھے بنے ہوئے ہیں اور اس پر ہمیں کسی طرح کی ندامت بھی نہیں اور نہ ہی راستے کی تلاش جستجو کی کوئی آرزو ہے۔ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں آنکھوں سے محروم کر کے اُٹھائیں گے۔سورہ طٰہٰ میں اس پر یوں اضافہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سوال بھی کریں گے کہ یا باری تعالیٰ ہمیں اندھا کر کے کیوں اٹھایا ہے؟ تو جواب ملے گا کہ دنیا میں تم نے ہمارے پیغام کو بھلایا، آج یہ اس کا انجام ہے۔

اوقات صلوٰۃ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس فرض کی بجا آوری اور یاددہانی کے لئے کس قدر مواقع فراہم کئے ہیں۔اسی پیغام کی جستجو کے لئے نماز فرض کی گئی جس کی بابت یوں ارشاد ہے:

اقم الصلوة لدلوك الشمس الى غسق اليل وقران الفجر ط ان قران الفجر كان مشهودا o ومن اليل فتهجد به نافلة لك عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا o (بنی اسرائیل:78-79)

''آفتاب ڈھلنے کے بعد سے لے کر رات کے اندھیرے تک نمازیں ادا کیا کرو اور فجر کے قرآن کا التزام کرو کیونکہ فجر کے وقت قرآن کا پڑھنا ملائکہ کی حاضری کا سبب ہے اور رات کو تہجد پڑھو۔یہ تمہارے لئے نفل ہے یقیناً تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کرے گا۔''

یہ حکم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھنے کے لئے ہے جو نازک حالات میں ایک مومن کے لئے اہم ترین ضرورت اور بہترین ہتھیار ہے۔

اس مقام پر ''سورج ڈھلنے'' پر نماز کا حکم ہے جس سے مراد ظہر ہے اور ''اندھیرے تک'' سے مغرب وعشاء کی جانب اشارہ ہے اور قرآن فجر سے صراحتاً فجر کی نماز کا حکم ثابت ہے۔

اس مقام پر اسی قدر ذکر ہے جبکہ سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اوقاتِ صلوٰۃ کے سلسلے میں ایک طویل روایت منقول ہے جس میں جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو اوقات صلوٰۃ کا تعین کر کے بتایا کہ یہ اوقات آپ اور آپ کی امت کے لئے متعین کئے گئے ہیں۔

صلوٰۃ تہجد آپ کی خاص عبادت بیان فرمائی اور اس کے بعد ذکر ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔اسی لئے ہم مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ جب اذان ہو چکے تو دعا مانگو جس میں مقام محمود کا ذکر ہے اور جو مسلمان ہر اذان کے بعد یہ دعا مانگتا ہے،اس کے لئے آپؐ نے حشر کے میدان میں شفاعت کی بشارت دی ہے۔مگر یہاں اہم مسئلہ اذان کے بعد دعا مانگنے کا ہے جس سے آج ہم غافل ہیں۔

وہ دعا یہ ہے:

اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة ات محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمود الذى وعدته o

''اے اللہ! اس کامل دعا اور اس کھڑی ہونے والی نماز کے رب! حضرت محمد ﷺ کو (مقام) وسیلہ، فضیلت اور بلند درجہ عطا کیجئے اور ان کو مقام محمود میں پہنچا دیجئے جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائیے۔ بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔'' (مسلم)

ایک دُعا اور اس کا پس منظر

اس کے بعد ایک دعا کی تلقین کی گئی ہے۔ اس دُعا کے ذکر سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ سورۃ اس دور میں نازل ہوئی جب مسلمان ہجرت حبشہ کے لئے عزم کر چکے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیراo (بنی اسرائیل:80)

''اور یوں کہو کہ اے میرے رب! مجھ کو جہاں بھی لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال، سچائی کے ساتھ نکال اور مجھے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا کیجئے جس کے ساتھ نصرت ہو۔''

یہ ایک سوال ہے کہ ''اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا کیجئے جس کے ساتھ نصرت ہو۔'' ایک حدیث کا مضمون اس کے مزید وضاحت کے لئے کافی ہے جس کو ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ طاقت اور حکومت سے ایسی چیزوں کا سدِ باب کر دیتا ہے جس کا سدِ باب قرآن نہیں کرتا''

کیونکہ قرآن مجید تعلیم ہے اور اس کا نفاذ طاقت وقوت کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے حبشہ کی حکومت کے ذریعے مسلمانوں کی معاونت فرمائی اور اس کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی باقاعدہ حکومت کی تشکیل کے اسباب پیدا کئے۔

اور اس حکومت کی تشکیل کے بعد کے لئے یہ بشارت دی گئی:

وقل جآء الحق وزھق الباطل ط ان الباطل کان زھوقاo
(بنی اسرائیل:81)

”اور اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بلاشبہ باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔“

قرآن، رحمت و شفا

یہ آیت گویا اسلامی حکومت کی تشکیل کی نوید ہے۔ جو تھوڑے ہی عرصے بعد ظہور پذیر ہوگئی اس کے بعد قرآن کی حقیقت یوں بیان ہوئی:

وننزل من القران ماهوشفاء ورحمة للمومنين (بنی اسرائیل:82)

”اور ہم قرآن کے ذریعے سے وہ چیز اتارتے ہیں جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔“

آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو قرآن کریم کو اپنے لئے رہنما مانتے ہیں تو ان کے لئے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی اور اسی میں ان کے تمام ذہنی، اخلاقی اور نفسیاتی امراض کا علاج ہے۔

مشرکین مکہ کے سوال اور جواب

اس کے بعد ایک سوال کا جواب ہے۔ پہلے اس کا مختصر پس منظر جاننا ضروری ہے۔ کتب حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی تبلیغ اور مسلسل تعلیم کے باعث مشرکین مکہ تنگ آ گئے تو انہوں نے عرب میں بسنے والے اہل کتاب سے مدد چاہی۔ یہود نے آپ کی نبوت کو پرکھنے کے لئے سوالات ترتیب دے کر مشرکین مکہ کو کہا کہ ان سے یہ سوال کریں۔ اگر وہ سچے نبی ہوئے تو ان کا جواب قدیم آسمانی کتب کے مطابق دیں گے ورنہ خود سے کچھ گھڑنے کی سعی کریں گے اور یوں حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔ ان کے سوالات کی تفصیل تفسیر و حدیث کی مستند کتب میں یوں درج ہے کہ انہوں نے پوچھا:

1۔ روح کی حقیقت کیا ہے؟

2۔ اصحاب کہف سے متعلق تفصیلات کیا ہیں؟

3۔ ذوالقرنین کے بارے میں حقیقت کیا ہیں؟

روح کی حقیقت:

ان تینوں سوالات کے جوابات اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ

کو بتائیے۔ پہلا سوال روح سے متعلق تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ویسلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلاo (بنی اسرائیل:85)

''اور وہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ دیں کہ وہ میرے رب کی ایک شان ہے اور تم لوگوں کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔''

اس میں وضاحت کردی گئی کہ روح کی حقیقت کو جاننا تمہارے بس کی بات نہیں کیونکہ انسان کے پاس اس قدر علم نہیں کہ وہ اس قدر باریک اور لطیف مسائل کی حقیقت جان سکے۔

اعجاز قرآنی

اس کے بعد مشرکین مکہ کے ایک شبہ کو زائل کیا گیا۔ ان کا یہ اصرار تھا کہ یہ قرآن آپ خود بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اس بارے میں پہلے بھی چیلنج کیا گیا اور اس مقام پر اس بات کو ایک نئے انداز میں دہرایا گیا کہ ساری مخلوق کو جمع کر کے بھی اس طرح کی ایک آیت نہ بنا سکو گے۔

قل لن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوبمثل ھذا القرآن لایاتون بمثلہ ولوکان بعضھم لبعض ظھیراo (بنی اسرائیل:88)

''اے نبیؐ! ان کو بتا دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لاسکیں گے۔ چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔''

سارے انسان اور سارے جن مل کر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے بھی قرآن جیسا کلام لانا چاہیں تو قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ نہیں لاسکیں گے اور آگے فرماتے ہیں کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا ہے مگر اکثر لوگ انکار ہی پر جمے رہے یہاں تک کہ انہوں نے کہا: ہم تیری بات اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک تو ہمارے لئے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ نہ جاری کردے۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم نے ہر طرح کی مثال کے ذریعے نصیحتیں کیں۔ لیکن جن لوگوں کو قبول نہیں کرنا، وہ قبول نہیں کرتے اور جن لوگوں کو قبول کرنا ہوتا ہے، وہ تھوڑی سی نصیحت کو بھی کافی سمجھتے ہیں۔ باقی رہا معاملہ آپ کی ذات کا تو آپؐ ان کو بتا دیں:

قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولاo (بنی اسرائیل:93)

''میرا رب پاک ہے اور میں تو اس کا پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔''

اور یہی بات ان کفار مکہ اور اس سے قبل ہر دور میں کافروں کے لئے تعجب اور انکار کا باعث بنی کیونکہ وہ یہ تصور رکھتے تھے کہ انسان نبی نہیں بن سکتا۔ اس بات کو اس سے قبل سورہ انعام میں بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔

انسانی نفسیات اور نزول قرآن میں تدریج

پھر انسانی نفسیات پر بحث ہے کہ انسان بڑا ہی تنگ دل اور محدود سوچ اور فکر رکھتا ہے۔ اس کی ایک جھلک قصہ موسیٰ وفرعون بیان کر کے دکھائی اور اس کے اور اس کے بعد قرآن کے تدریجاً اُتارنے کا ذکر کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وبالحق انزلنہ وبالحق نزل ط وما ارسلنک الا مبشرا ونذیراoوقرانا فرقنہ لتقراہ علی الناس علی مکث ونزلنہ تنزیلاoقل امنو بہ اولا تومنوا ط (بنی اسرائیل:105-107)

''اور ہم نے اس قرآن کو سچائی کے ساتھ ہی نازل کیا ہے اور یہ سچائی کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے اور ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ ہم نے اس قرآن کو جزو بنا کر نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سنائیں اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا۔ کہہ دیجئے! کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔''

یہ آیت گویا حقائق ومعارف کا ایک خزانہ سمیٹے ہوئے ہے۔ اب جس کا جی چاہے، اس خزانے میں سے اپنا حصہ لے اور جو کوئی اپنی ازلی بدقسمتی کے باعث محروم رہنا چاہتا ہے، ہم اس پر جبر اور زبردستی نہیں کریں گے۔

لفظ رحمٰن۔ ایک توضیح

قرآن مجید میں ایک لفظ رحمٰن کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اسم الٰہی پہلی آسمانی کتب میں

مذکور نہ تھا۔ اس پر اہل مکہ بلکہ اہل کتاب کو تعجب ہوا تو فرمایا کہ لفظی تغیر وتبدل میں الجھنے کی بجائے حقیقت پر نظر رکھو کیونکہ مقصد اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن ط ایاما تدعوا فله الاسماء الحسنی ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بین ذلك سبیلا o وقل الحمد لله الذی لم یتخذ ولدا ولم یكن له شریك فی الملك ولم یكن له ولی من الذل وكبره تكبیرا o (بنی اسرائیل: 110-111)

''کہہ دیجئے! تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن۔ جس نام سے بھی پکارو گے، اس کے سب نام اچھے ہیں اور نماز بلند آواز سے نہ پڑھو اور نہ آہستہ آواز سے بلکہ اس کے درمیان کا راستہ اختیار کرو اور کہہ دیجئے! سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے نہ کسی کو (اپنا) بیٹا بنایا اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ ہی وہ اس وجہ سے عاجز و کمزور ہے کہ اس کا مددگار کوئی نہیں۔ اس کو بڑا جان کر اس کی بڑائی بیان کرو۔''

آیت مذکورہ میں دور حاضر کے مسلمانوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے جو آپس میں اختلاف ونفرت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے بلکہ اختلاف کے لئے نئے نئے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں اور پھر امت مسلمہ میں افتراق وانتشار کا باعث بنتے ہیں۔ یہاں پر نماز میں قرات کرنے کے بارے میں حکم دیا کہ نہ زیادہ بلند آواز سے ہو اور نہ بالکل آہستہ بلکہ درمیانہ انداز ہو۔ ضمناً اس مقام پر ذکر کا درمیانی اور احسن طریقہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا کہ نہ ذکر کے نام پر شور وغوغا کرو اور نہ ہی ایسی چپ سادھ لو کہ ذکر الٰہی کا پتہ ہی نہ چل سکے۔ اس کے بعد حمد وتکبیر کا حکم ہے۔

قرآن اور سائنسی اِکتشافات

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

قُرآن کریم سائنسی علوم کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ تو بنی نوع انسان کی ہدایت اور راہنمائی کیلئے اللہ کی طرف سے اُتاری گئی نصیحت ہے۔ ہر اُس انسان کیلئے جس کے ضمیر کی روشنی مکمل طور پر بُجھ نہ گئی ہو اور اُس کے قلب میں قبولیتِ حق کی تھوڑی سے صلاحیت اور رُوح کے اندر زندگی کی ذرا سی رمق بھی باقی ہو تو یہ قرآن نُور، شفاء اور حیات کا منبع ہے۔ یہ کتاب انسانی زندگی کی ہمہ جہتی اصلاح و فلاح کیلئے نُسخہءِ کیمیا، دائمی مسرت کا راز اور ابدی نجات کا ضامن ہے۔ قُرآن کے اندازِ تذکیر و انذار اور اسلوبِ دعوت انتہائی فطری، سادہ اور سہل ہے اور براہِ راست انسانی ضمیر کے دروازہ پر دستک دیتا ہے۔ یہ انسان کو پیچیدہ سائنسی فارمولوں اور دقیق علمی نکتوں کے ذریعے دعوتِ ایمان نہیں دیتا بلکہ عام سمجھ بوجھ سے کام لے کر اپنے ارد گرد تسلسل سے واقع ہونے والے سادے سادے سے مظاہرِ فطرت اور اپنی ذات پر بیتنے والے روزمرہ کے عام فہم تجربات پر غور و فکر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ کیونکہ حقیقت اپنی فطرت میں بڑی سادہ ہوتی ہے وہ اپنے ثبوت کیلئے رنگیں بیانی کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ الفاظ کے گورکھ دھندے سے اِسے واضح کرنے کی بجائے مزید پردوں میں لپیٹ دیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت اقبالؒ نے فرمایا ہے:۔

حقیقت پہ ہے جامۂ صرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ

اِسی لئے اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا۔ **ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکرo** (القمر۔22) ''اور ہم نے قرآن کو نصیحت کیلئے آسان بنا دیا ہے پس ہے کوئی عبرت حاصل کرنے والا''۔ نصیحت، عبرت اور ہدایت کیلئے اِس قدر آسان اور عام فہم ہونے کے باوجود اس کلام میں علوم کے ایسے ایسے خزانے پوشیدہ ہے جن تک رسائی صرف اہل تدبر ہی کا کام ہے۔ کیونکہ یہ کلام اس ہستی کا ہے جس کے علم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اُس کی تخلیق کردہ وسیع و عریض کائنات میں سے صرف زمین پر موجود کچھ اشیاء کے طبیعی اور کیمیاوی خواص معلوم کر لینے

اور چند قوانین فطرت جان لینے ہی کو جو سائنسدان منتہائے علم سمجھ بیٹھے تھے اب وہ جینیاتی سائنس، کوانٹم فزکس اور ذہن اور رُوح کی تحقیق کے میدانوں میں داخل ہو کر گذشتہ نظریات اور قوانین پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی قرآنی نظریات کی تائید کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔جیسا کہ مقولہ مشہور ہے کہ بادشاہوں کا کلام، کلام کا بادشاہ ہوتا ہے۔تو حقیقی شہنشاہ اور کائنات کے خالق و مالک کا کلام کیوں بے مثل نہ ہوگا اور قدم قدم پر اس کے بے کراں علم کی جھلک کیونکر اپنے جلوے نہ دکھائے گی۔قرآن میں دیئے ہوئے دقیق اشارات اور جدید سائنسی انکشافات کو منطبق کرنے سے یہ امر مطلوب ہے کہ اس حقیقت کو سامنے لایا جائے کہ اللہ نے جو وعدہ فرمایا تھا کہ تمہیں ایسی نشانیاں دکھاؤ نگا کہ تم پکار اُٹھو گے کہ دینِ اسلام حق اور قرآن منزل من اللہ ہے وہ پورا ہو رہا ہے۔جدید تجربات سے سائنسدانوں پر یہ حقیقت کھلتی چلی جارہی ہے کہ اللہ کا دین خیالی نظریات پر نہیں بلکہ ٹھوس حقائق پر مبنی ہے۔اب وہ منزل بہت قریب آ گئی ہے جب یہ حقیقت تسلیم کر لی جائے گی کہ انسانوں کی دُنیوی اور اُخروی بھلائی اِن ابدی حقائق کو تسلیم کر لینے اور اللہ کے عطا کردہ آئینِ حیات کو اپنا لینے میں مضمر ہے۔

اب ہم اختصار کے ساتھ موجودہ دور میں ہونے والے چند معروف سائنسی انکشافات اور ان سے متعلق قرآنی آیات تحریر کرتے ہیں۔

مادہ کی حقیقت

ہمیں قرآن یہ بتاتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔اُس کے سوا باقی ہر شے حادث ہے یعنی وہ پیدا کی گئی ہے۔ایک وقت ایسا بھی گذرا ہے جب وہ اکیلا تھا اور اُس کی عظیم ذات کے سوا اور کچھ بھی موجود نہیں تھا۔پھر اُس نے اپنی قدرتِ کاملہ اور قوت قاہرہ سے کائنات کی ہر شے کو اپنی مرضی کے مطابق جس نہج پر چاہا پیدا فرمایا۔جیسا کہ سُورۃ الرعد آیت 16 میں ارشاد ہوا ہے۔ **قل اللّٰہ خالق کل شیءٍ وھو الواحد القھار** o ''آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ یکتا اور زبردست ہے''۔لیکن سائنسدان شروع میں اس حقیقت کے برخلاف یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ

مادہ بھی ازلی وابدی ہے۔یہ نہ تو پیدا کیا جا سکتا ہے نہ ہی فنا ہو سکتا ہے بلکہ صرف صورتیں بدلتا رہتا ہے۔مثلاً پانی کو اگر ٹھنڈا کرتے چلے جائیں تو وہ ٹھوس برف کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔اگر برف کو حرارت پہنچائی جائے تو وہ دوبارہ سیال پانی کی صورت میں پگھل جائے گی۔اگر پانی کو مزید گرم کیا جائے تو وہ بخارات بن کر ہوا میں شامل ہو جائے گا اور بظاہر ہماری نظروں سے غائب ہو جائے گا۔یہی آبی بخارات فضا کے بالائی طبقوں میں پہنچ کر بادل بنتے اور ٹھنڈک کی وجہ سے دوبارہ پانی کے قطروں میں تبدیل ہو کر بارش کی صورت میں واپس زمین پر آ جاتے ہیں اور یہ چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے۔دوسری مادی اشیاء کے بارے میں یہی نظریہ بیان کیا جاتا تھا۔لیکن جب سائنسدانوں نے ایٹم توڑلیا تو وہ اس غلط نظریہ سے دستبردار ہو کر یہ کہنے لگے کہ مادہ فنا ہو کر توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔بیسویں صدی کے عظیم ترین سائنسدان بابائے جوہریت البرٹ آئن سٹائن نے مادے اور توانائی کا باہمی تعلق ظاہر کرنے والا فارمولا (E=MC2) بھی معلوم کر لیا اور اِسے تاریخ کی مشہور ترین مساوات کا نام دیا گیا۔اِس سے جہاں علم مابعد الطبیعات (Metaphysics) کا آغاز ہوا وہاں یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ توانائی کی نہایت ہی کثیر مقدار سمٹ کر مادہ بن سکتی ہے اور اگر ہم مادہ کے ایٹموں کو توڑ سکیں تو ان سے بے پناہ انرجی حاصل کر سکتے ہیں۔اِسی کے نتیجہ میں ایٹم بم ایجاد ہوا۔اور اب بجلی حاصل کرنے کیلئے ایٹمی ری ایکٹر چلائے جا رہے ہیں اور ایٹمی ایندھن کی نہایت ہی قلیل مقدار کی مدد سے ایٹمی آبدوزیں مہینوں تک زیرِ آب رہ کر اپنا سفر جاری رکھ سکتی ہیں۔اس کے علاوہ بھی ایٹمی توانائی کئی شعبوں میں انقلابی تبدیلیاں لانے کا باعث بنی ہے اور بنی نوع انسان کیلئے کئی جدید علوم کی راہیں کھل گئی ہیں۔

تخلیق کی ابتداء

جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ مادہ فنا ہو سکتا ہے تو اس کی ازلی اور ابدی حیثیت زائل ہو گئی۔اس لئے مجبوراً یہ تصور کرنا پڑا کہ مادہ اچانک کسی نامعلوم سبب کے باعث کسی وقت وجود میں آیا ہو گا۔ابتدائے آفرینش کے بارے میں جس نظریے کو بہت زیادہ شہرت ملی وہ آئن سٹائن کا

عظیم دھماکے کا نظریہ (Big Bang Theory) کہلاتا ہے۔اِس میں بیان کیا جاتا ہے کہ آج سے تقریباً دس سے پندرہ ارب سال پہلے خلا کی وسعتوں میں اچانک ایک عظیم دھماکہ ہوا اور پھر ناقابل فہم حرارت، توانائی اور روشنی کا ایک عظیم عمل اور ردِعمل شروع ہوگیا۔اِسی کش مکش کے نتیجہ میں عناصر کا ظہور رہوا اور پھر اُنکی ترتیب سے مادی ذروں کا ہیولیٰ سا بنا جو خلا میں دھوئیں کی صورت میں اُڑنے لگا۔مادے کی اس حالت کا ذکر قرآن کریم میں سورۃ حٰم سجدہ آیت 11 میں یوں آیا ہے۔ **ثم الستوی الی السماء وھی دُخان**۔''پھر اللہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا''۔پھر اِس دھوئیں میں چکر چلنے لگے۔اس طرح کے عمل کے نتیجے میں عرصہ دراز کے بعد ذروں نے کُروں اور کہکشاؤں کی صورت اختیار کر لی اور ایک دوسرے سے دور ہٹنے لگے اور بہت دور جا کر اپنے اپنے محور اور کسی مرکز کے گرد گھومنا شروع ہو گئے۔اِسی دھماکہ کے عمل سے وہ چار بنیادی قوتیں تخلیق ہوئیں جو (1) کشش ثقل (2) برقی مقناطیسیت (3) قوی نیوکلیائی قوت (4) ضعیف نیوکلیائی قوت کے نام سے مشہور ہیں اور انہیں سے اجرام کائنات کا باہمی تعامل عبارت ہے۔ہماری زمین کسی ستارے کی کشش کے اثر سے جو سورج کے قریب سے گذرا تھا تقریباً ساڑھے چار ارب سال پہلے سورج سے جدا ہو کر بنی تھی۔یہ پہلے آگ کا ایک دہکتا ہوا گولہ تھی پھر ہزاروں برس گذرنے پر اس کی سطح آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوگئی۔علی ہذا القیاس اِسی طرح یہ افسانوی نظریہ مکمل کر لیا گیا۔

اِس خیالی منظر میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ انسانی سمجھ بوجھ اور اسکے علم کی رسائی کے مطابق ترتیب دیا گیا ایک نظریہ ہے جو ہوسکتا ہے کہ وقتی طور پر منطقی اور تشفی بخش معلوم ہوتا ہو۔لیکن یہ عین ممکن ہے کہ حقائق اس سے قطعی مختلف ہوں اور مستقبل میں اس کی جگہ کوئی دوسرا نظریہ لے لے۔بہر کیف اس نظریہ کی حمایت کرنے والے سائنسدان بھی یہ تو نہیں بتا سکتے کہ جب کوئی شے موجود ہی نہ تھی تو یہ دھماکہ کیونکر ہوا؟ اتنا عظیم دھماکہ جس کے سبب وسیع وعریض کائنات تخلیق ہوگئی کس نے کیا تھا؟ اس کا جواب سائنس دے ہی نہیں سکتی اور نہ ہی یہ اُس کا موضوع ہے۔عقل وخرد کا اپنا ایک مقام اور اپنی حدود ہیں جن کے باہر کی اِسے کچھ خبر نہیں۔بقول علامہ اقبالؒ

خرد سے راہ رَو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغِ رہگذر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغ رہگذر کو کیا خبر ہے

عقل وخرد کی روشنی میں سفر کرنے والے سائنسدان اب یہ حقیقت تسلیم کر رہے ہیں۔ کہ اگر کائنات ابدی نہیں ہے اور یہ پیدا کی گئی ہے تو پھر ایک خالق کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور یہ اب ثابت ہوگیا ہے کہ کائنات ابدی نہیں حادث ہے۔ درحقیقت اِن باتوں کا جواب دینا اور دقیق عقدوں کو حل کرنا الہامی مذاہب کا کام ہے۔ بفرض محال اگر وقتی طور پر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ کائنات کی تخلیق اوپر بیان کردہ ترتیب اور ترکیب ہی سے وجود میں آئی تو اس کا قرآنی حل یہ ہوگا کہ یہ عظیم ترین دھما کہ اللہ جل جلالہ کے امر کُن سے ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ **اِنما امرہ اذا اراد شیًا ان یقول لہٗ کن فیکون** o(یٰسین۔82) ''یعنی اللہ کا حکم جو اس طرح کا ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے **کُن** یعنی ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے''۔ اور یہ بھی فرماتا ہے کہ ہمارا کام تمہاری طرح کا نہیں ہے کہ چھوٹے چھوٹے منصوبوں کیلئے مہینوں بلکہ برسوں مصروف رہتے ہو اُن میں کئی قسم کی رکاوٹیں آجاتی ہیں اور تمہیں تبدیلیوں اور ترمیموں کی ضرورت پڑتی ہے۔ **وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر** o(القمر۔50) ''اور ہمارا حکم تو یکبارگی ہوتا ہے جیسا کہ آنکھ کا جھپکنا''۔ یعنی ہمارا امر ہوتے ہی وہ چیز ہمارے ارادے کے عین مطابق متشکل ہونے کیلئے ضروری ارتقاء کی منزلیں خود بخود طے کرنا شروع کردیتی ہے۔ یہ خیال درست نہیں ہے کہ وہ چیز کُن کہنے کے ساتھ اُسی وقت مطلوبہ صورت اختیار کرلیتی ہے۔ البتہ اِس کے وجود کی ایک جامع روحانی شکل اِسی لحظہ پیدا ہو جاتی ہے جیسے کہ ایک بڑ کے عالیشان درخت کا رائی برابر بیج۔ جس میں اِس پورے درخت کا نقشہ، اِس کی شکل وصورت اس کا حجم اس کے پتوں کی نوعیت اور دیگر تفاصیل سموئی جاتی ہیں جو بعد میں منازلِ ارتقاء طے کرکے اپنے وقت پر پورا درخت بن جاتا ہے۔ یعنی چیزیں روحانی طور پر تو اُسی وقت وجود میں آجاتی ہیں لیکن تعین

شدہ کرے میں مطلوبہ مادی صورت میں اس طرح وجود میں آنے کیلئے کہ اُس کرہ میں بسنے والوں کوبھی وہ محسوس ہو سکے طویل عرصہ لگتا ہے۔۔وقت کے بارے میں قرآن میں بار بار یہ حقیقت دُہرائی گئی ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔اس سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالی کی تخلیق کے عمل میں وقت ایک اہم عنصر ہے۔اب ظاہر ہے کہ ان چھ دنوں سے مراد یہ ہمارے چوبیس گھنٹے والے ارضی پیمانے والے دن تو نہیں ہو سکتے۔کیونکہ جب نہ سورج تھا نہ زمین تھی نہ زمین کی محوری گردش تھی تو یہ دن رات بھی نہ تھے۔

اللہ کے دن کی لمبائی کا اندازہ سورج المعارج آیت نمبر 4 کے الفاظ سے لگایئے جس میں ارشاد ہوا ہے۔ **تعرج الملئکة والروح الیه فی یوم کان مقداره خمسین الف سنة**o ''اُس کی طرف روح اور فرشتے چڑھتے ہیں ایک دن میں جس کا اندازہ پچاس ہزار برس ہے''۔

اِس سے واضح ہو گیا کہ زمین اور آسمانوں کی تخلیق چوبیس گھنٹوں والے چھ دنوں میں نہیں ہوئی بلکہ یہ ہزاروں سالوں پر محیط چھ دَور تھے۔قرآن میں کئی دوسری جگہوں پر بھی ایام بمعنی ادوار استعمال ہوا ہے۔قوموں کے بارے میں آیا ہے کہ ہم کبھی ایک قوم کو عروج عطا فرماتے ہیں پھر کچھ عرصہ بعد اِسے زوال آنا شروع ہو جاتا ہے تو کسی دوسری قوم کو اس کی جگہ دنیا کی سیادت مل جاتی ہے۔قرآن کے الفاظ اس طرح ہیں۔**تلك الایام نداولها بین الناس**۔ ''یعنی یہ تو دن یا دور ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں''۔

پھیلتی ہوئی کائنات

انسان اپنے ابتدائی دور سے ہی سورج چاند اور آسمان پر بکھرے ہوئے بے شمار ستاروں کو دیکھتا چلا آ رہا ہے۔لیکن اُسے نہ تو اِن کی ماہیت کا علم تھا اور نہ ہی یہ جانتا تھا کہ وہ زمین سے کتنی دور ہیں آپس میں اُنکے درمیان کتنی مسافتیں حائل ہیں۔نئی نئی دوربینوں کی ایجاد نے اُسے وسعت نظر عطا کی تو اِسے خلا کے اندر دور تک جھانکنے کا موقع ملا۔ 1948ء میں کیلیفورنیا یونیورسٹی نے کوہ پلومر پر جب دوسوانچ قطر کی دُوربین نصب کی تو چشم آدم کے سامنے آسمانوں کی

لامحدود وسعتیں کھل کر سامنے آ گئیں ۔ستاروں کی تعداد، اُنکے درمیانی فاصلوں، کہکشاؤں کی تعداد اور اُن کے نظام کے بارے میں کافی حد تک درست اندازے لگانا ممکن ہوگیا ۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ ابتدا میں مادہ ایک جمگھٹے کی صورت میں ملا ہوا تھا ۔پھر کائنات پھیلنا شروع ہوگئی اور ٹکرے ایک دوسرے سے دُور ہونے لگے۔

قرآن کریم میں اس نظریہ کی تصدیق ملاحظہ فرمایئے:۔

اولم یرالذین کفروا ان السموت والارض کانتا رتقا ففتقنهما o(الانبیاء ۔30) ''کیا انکار کرنے والوں نے دیکھا نہیں کہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پس ہم نے اِنکو جدا کر دیا''۔سائنسدانوں کے مطابق کائنات کا یہ پھیلاؤ اب بھی جاری ہے ۔ ہماری کہکشاں اُنیس دیگر کہکشاؤں کے ساتھ مل کر ایک گروپ بناتی ہے جس کا قطر پچاس لاکھ نُوری سال ہے ۔اب تک معلوم ہو جانے والی کہکشاؤں کی تعداد ایک ارب تک پہنچ چکی ہے ۔فلک شناسوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ تمام کہکشائیں ہم سے نیز ایک دوسری سے دُور ہٹتی جا رہی ہیں اور آسمانوں میں زبردست توسیع ہو رہی ہے یعنی یہ کائنات پھیلتی چلی جا رہی ہے۔

ایڈون ہبل پہلا شخص تھا جس نے 1953ء میں یہ سائنسی تحقیق پیش کی کہ کائنات مسلسل وسعت پذیر ہے اِسی تحقیق نے بگ بینگ تھیوری یعنی عظیم دھماکے کے نظریے کو جنم دیا ۔اب ذرا خالق کائنات کا فرمان دیکھئے:۔

والسماء بنینها باید وانا الموسعون o(الذریت ۔47)

''اور آسمانوں کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا اور ہم ہی پھیلانے والے ہیں''۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پناہ قوت سے عظیم کہکشاؤں کو پیدا کیا اور اپنی قدرت کے ہاتھوں سے ان میں مطلوبہ گھماؤ اور حرکت پیدا کی کہ وہ پھیلتی چلی جا رہی ہیں اور ان کے درمیانی فاصلے بڑھ رہے ہیں ۔

اجرامِ فلکی کی حرکات

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کی قدیم اقوام مثلاً یونانیوں، مصریوں،

سمیریوں، بابلیوں اور چینیوں کے ہاں اجرامِ فلکی کے متعلق کافی مواد ملتا ہے۔فلک شناس اپنے اپنے مشاہدہ کی بنیاد پر نظریات پیش کرتے رہے جو وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہے۔ 150ء میں بطلیموس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین اس کائنات کی مرکز ہے اور سورج اور ستارے اس کے گرد گھوم رہے ہیں۔تمام مذاہب کے منجّم چودھویں صدی تک اسی نظام کے قائل رہے۔ پندرھویں صدی میں پولینڈ کے منجّم نکولس کاپرنیکس نے یہ اعلان کیا کہ سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے۔اس پر پادریوں نے اُسے کافر قرار دے کر اُس کی گرفتاری کے احکام صادر کردئے۔سترھویں صدی میں ایک جرمن ہیئت دان کپلر نے کاپرنیکی نظام کی تائید کرتے ہوئے اس میں یہ اضافہ کیا کہ سورج اپنے محور پر گھوم رہا ہے تو کلیسا نے اُس کی کتاب بھی ضبط کر لی۔اس وقت چونکہ مسلمانوں کے پاس نہ تو مشاہدہ کائنات کیلئے جدید رصدگاہیں تھیں اور نہ ہی مطالعۂ فطرت کا ذوق رکھنے والے علماء موجود تھے اس لئے ان نظریات کی تردید اور قرآن کی تائید میں کوئی آواز نہ اُٹھ سکی۔کیونکہ غیر مسلم فلک شناسوں کو صرف قرآن کی آیات پڑھ کر تو قائل نہیں کیا جاسکتا تھا۔اِس کیلئے تو ضروری تھا کہ کوئی مسلمان منجّم اِن آیات کو راہنما بنا کر کائنات کا مشاہدہ کرتا اور اخذ شدہ نتائج کی مدد سے اجرامِ فلکی کی گردش، دن رات کے گھٹنے بڑھنے، موسموں کے تغیر و تبدل اور دیگر مظاہر کی وجوہات کو ایک منطقی نظام اور علم ہیئت کی اِصطلاحات میں مرتب کرکے قرآن کی حقانیت کو ثابت کرتا۔لیکن یہ ممکن نہ تھا کیونکہ ہماری قوم تو صدیوں سے سائنسی تحقیق کے دروازے بند کردینے کی وجہ سے علمی طور پر بانجھ ہو چکی تھی۔البتہ ہم دل کی جھوٹی تسلی کیلئے اور اپنی خفت کم کرنے کیلئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاید اللہ کی مشیّت یہی تھی کہ نہ ماننے والے خود ہی اپنے مشاہدے کے نتیجے میں قرآن کی تصدیق کریں۔بہر کیف اب سائنسدان یہ تسلیم کرتے ہیں کہ چاند زمین کے گرد اور زمین سورج کے گرد مدار میں چکر لگا رہی ہے اور سورج بھی ایک جگہ ساکن نہیں ہے بلکہ اپنے پورے نظام شمسی کو ساتھ لئے ایک تو اپنی کہکشاں کے مرکز کے گرد گھوم رہا ہے اور ایک چکر بائیس کروڑ پچاس لاکھ سال میں پورا کرتا ہے۔دوسری حرکت اپنی کہکشاؤں کے ہمراہ خلائی سفر کی ہے۔اٹھارویں صدی کے وسط تک سورج کو ساکن

تصور کیا جاتا رہا یہاں تک کہ سر فریڈرک ولیم ہرشل نے اس نظریہ کی تصحیح 1783ء میں کی۔
آیئے ہم سب سے پہلے زمین کی گردش کے بارے میں قرآنی فرمان دیکھتے ہیں۔ارشاد ہوا ہے:۔

وترالجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحابo (النمل۔88)

''اور آپ پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کرتے ہو کہ یہ ایک جگہ بے حس وحرکت کھڑے ہیں حالانکہ یہ تو بادلوں کی مانند حرکت میں ہیں''۔

یعنی یہ بڑے بڑے پہاڑ جو بظاہر ساکت وجامد دکھائی دیتے ہیں یہ زمین کی محوری اور مداری گردش کی وجہ سے بادلوں کی طرح اُڑے اُڑے جارہے ہیں۔اسی طرح سورج کی حرکت کے بارے میں سورۃ یٰسین آیت 38 میں آیا ہے کہ:۔

والشمس تجری لمستقر لها۔ ذالك تقدير العزيز العليمo

''اور سورج اپنی مقررہ منزل کیلئے رواں دواں ہے یہ غالب اور علم والے کا ترتیب دیا ہوا نظام ہے''۔

اِسی طرح سورۃ الرحمٰن آیت 5 میں سورج اور چاند دونوں کی ایک خاص حساب کے تحت حرکت کرنے کا بیان یوں آیا ہے:۔

الشمس والقمر بحسبانo

''یعنی سورج اور چاند حساب مقرر سے چل رہے ہیں''

چاند کی حرکت ذرا مختلف نوعیت کی ہے۔وہ ہر روز ایک نئے مقام پر اور بدلی ہوئی حالت میں دکھائی دیتا ہے اور پھر ایک ماہ بعد اپنی پہلی والی حالت میں لوٹ آتا ہے۔

اِس لئے چاند کے بارے میں قرآن نے علیحدہ انداز سے فرمایا:۔

والقمر قدرنه منازل حتى عاد كالعرجون القديمo (یٰسین۔39)

''اور چاند کیلئے ہم نے مختلف منزلیں مقرر کردی ہیں یہاں تک کہ وہ پھر اپنی پہلی حالت جو کھجور کی پرانی شاخ کی مانند ہوتی ہے پر لوٹ آتا ہے''۔

اِس سے اگلی آیت میں اللہ کے نظام کی صحت اور پائیداری کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ سورج چاند کو جا پکڑے یا رات دن کو پیچھے چھوڑ کر پہلے آ جائے کیونکہ **وکل فی فلك یسبحون**o ''کیونکہ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں''۔یعنی اللہ جل جلالہ نے ہر ایک کیلئے ایک متعین راستہ یا مدار مقرر کر رکھا ہے جس پر وہ جسم تیرتا ہوا خلا میں سفر کرتا رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے بغیر ستونوں اور تاروں کے کشش ثقل اور مرکز گریز(Gravity & Centrifugal force)قوت کا اس طرح توازن قائم کر رکھا ہے کہ اجرام فلکی میں سے کوئی بھی اپنے مدار سے اِدھر اُدھر ہٹ ہی نہیں سکتا۔ہاں جب اللہ چاہے گا تو سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔

رات اور دن کا خلا میں تیرنا

قرآن میں ایک جگہ سورج اور چاند کی حرکت کے بیان کے ساتھ ساتھ دن اور رات کے بارے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ بھی خلا میں تیرتے ہوئے جا رہے ہیں۔ الفاظ ملاحظہ ہوں۔**ھوالذی خلق اللیل والنھار والشمس والقمر۔کل فی فلك یسبحون** o(الانبیاء۔33)''اللہ وہ ہے جس نے رات اور دِن اور سورج اور چاند پیدا کئے۔ہر ایک خلا میں تیر رہا ہے''۔

سورج اور چاند کا فضا میں تیرنا ظاہری آنکھ سے بھی نظر آتا اور آسانی سے سمجھ میں بھی آ جاتا ہے لیکن رات اور دن کا اپنے مدار میں گردش کرنا یا خلا میں تیرنا ذہن میں اتنی آسانی سے نہیں آتا۔ لیکن موجودہ دور کی تحقیق کے نتیجہ میں اب ہم اس کی بھی تشریح کر سکتے ہیں۔اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے ذرا اپنی چشم تصور سے کرۂ ارض کو خلا میں سورج کے گرد اپنے مدار میں حرکت کرتے ہوئے دیکھیں جب کہ وہ اپنے محور کے گرد بھی گھوم رہی ہے۔اِس منظر میں زمین کی ایک طرف یعنی سورج کی جانب ہمیشہ اُجالا یعنی دِن اور دوسری جانب ہمیشہ اندھیرا یعنی رات رہتی ہے اور یہ دونوں منطقے مستقلاً اِسی حیثیت میں برقرار رہتے ہیں۔زمین کی محوری گردش کے سبب اسکا جو حصہ سورج کی جانب آ جاتا ہے وہاں دن ہو جاتا ہے اور دوسری طرف رات۔یعنی رات اور دِن نہیں

آتے جاتے بلکہ زمین کے حصے گھوم کر کبھی سورج کے سامنے یعنی دن کے منطقے میں آجاتے ہیں اور کبھی دوسری جانب رات کے منطقے میں چلے جاتے ہیں۔ زمین چونکہ اپنے محور کے گرد گھومنے کے ساتھ ساتھ سورج کے گرد اپنے مدار میں بھی حرکت کرتی ہے اس طرح گویا رات اور دن یعنی اندھیرے اور اُجالے کے دونوں منطقے بھی اسی مدار میں زمین کے ساتھ ساتھ فضا میں تیرتے ہوئے چلتے رہتے ہیں۔ اندر کے مدار میں دن تیرتا ہے اور باہر کے مدار میں رات۔ اسی طرح چاند چونکہ زمین کے گرد گھومتا ہے اس لئے وہ بھی زمین کے ساتھ ساتھ فضا میں زمین کے مدار پر ہی تیرتا چلا جاتا ہے۔ اور سورج اپنے سارے نظام شمسی کے سیاروں کو ساتھ لئے ہوئے اپنی کہکشاں کے مرکز کے گرد رواں دواں ہے اور کہکشائیں آگے کسی اَن دیکھے مرکز کے گرد رقصاں ہیں۔

چانداورسورج کی ماہیت

زمین پر بسنے والی مخلوق کیلئے چانداور سورج دونوں روشنی کا ذریعہ ہیں۔ ابتدا ہی سے انسان یہی تصور کرتا ہوا چلا آ رہا تھا کہ یہ دونوں کُرے اپنی ذات میں روشن ہیں۔ لیکن اب سائنسدان اس حقیقت سے پردہ اُٹھا چکے ہیں کہ چاند بذات خود روشن نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک بے آباد اور بنجر مادہ کرہ ہے جس کی سطح تھور زدہ زمین کے مشابہ ہے۔ چاند پر نہ تو ہوا ہے نہ پانی اور نہ ہی کوئی نباتات ہے بلکہ اس کی سطح تو بالکل مُردہ ہے۔ چاند سے جو روشنی ہمیں ملتی ہے وہ درحقیقت سورج کی روشنی ہوتی ہے جو اُس کی سطح سے منعکس ہو کر زمین پر آتی ہے۔ جن خلا بازوں کو چاند پر اُترنے کا موقع ملا اُنکا کہنا ہے کہ وہاں سے زمین چاند کی طرح روشن دکھائی دیتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ زمین چاند سے پانچ گنا بڑی اور اس سے کہیں زیادہ حسین وجمیل نظر آتی ہے۔

سورج کے بارے میں سائنسدان یہ کہتے ہیں کہ اس میں 73 فیصد ہائیڈروجن گیس ہے جو مسلسل ہیلیم گیس میں تبدیل ہو رہی ہے اس عمل سے بے پناہ روشنی اور توانائی پیدا ہوتی ہے۔ سورج کا اندرونی درجہ حرارت تقریباً 15 کروڑ سنٹی گریڈ جبکہ بیرونی سطح کا درجہ حرارت صرف چھ ہزار سنٹی گریڈ ہے۔ اگر بیرونی سطح کا درجہ حرارت بھی وہی ہوتا جو اندرونی کا ہے تو زمین پر نباتی اور

حیوانی زندگی کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔ سورج کی متوازی حرارت اور روشنی پر ہی زمینی زندگی کا دارومدار ہے۔ اب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ چاند فی نفسہ روشن نہیں ہے بلکہ سورج کی روشنی کی وجہ سے چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے لیکن سورج روشنی حرارت کا منبع ہے۔ اب ذرا اللہ کے کلام کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح دونوں کا فرق واضح کر رہا ہے۔

سورۃ نوح آیت 16 میں ارشاد ہوا۔

وجعل القمر فیھن نورا وجعل الشمس سراجاo

''یعنی اللہ نے آسمانوں میں چاند کو روشنی کا ذریعہ بنایا اور سورج کو جلتا ہوا چراغ''۔

اِسی طرح سورۃ یونس آیت 5 میں فرمایا۔

ھوالذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحسابo

''اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی کا منبع اور چاند کو چمکتا ہوا بنایا۔ اور چاند کیلئے مختلف منزلیں مقرر کر دیں تا کہ تم سالوں کی گنتی اور (دنوں اور مہینوں کا) حساب جان سکو''۔

اِنسانی زندگی کے ابتدائی ادوار میں جب انسان نے نہ تو پڑھنا لکھنا سیکھا تھا اور نہ ہی کیلنڈر ایجاد ہوئے تھے اس وقت صرف چاند کی بدلی ہوئی حالت ہی سے دنوں کا حساب کیا جاتا تھا اور ہر نئے چاند سے مہینہ کا آغاز شمار ہوتا تھا۔ گویا کہ قمری کیلنڈر اللہ کا عطیہ ہے اور انسان نے سب سے پہلے اسی سے استفادہ کیا۔ کیونکہ اجرام فلکی میں سے صرف چاند ہی تھا جس کی روزانہ تبدیلی کو آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔

کُرۂ ارض کی گردش اور بناوٹ

ہماری زمین فٹ بال کی صورت کا ایک کُرہ ہے جو چوبیس گھنٹوں میں اپنے محور کے گرد گھومنے کے ساتھ ساتھ سورج کے گرد اپنے مخصوص مدار میں تیرتی ہوئی ایک سال میں اپنی گردش مکمل کرتی ہے۔ زمین کی محوری اور مداری حرکات کو سمجھنے کیلئے ہم ایک گھومتے ہوئے لٹو کی مثال دیتے ہیں جو اپنی محوری پن پر گھومنے کے ساتھ ساتھ زمین پر نشان زدہ ایک دائرہ کی

ایک لکیر پر بھی حرکت کرتا ہوا چل رہا ہو۔لٹو سے تو ہر کوئی واقف ہے کہ اگر اس کی پن عین مرکز میں نہ ہو یا اِسکا جسم صحیح طور پر متوازن نہ ہوتو وہ نہ تو ایک جگہ کھڑا ہو کر گھوم سکتا ہے اور نہ ہی کسی مقررہ دائرہ میں حرکت کرسکتا ہے بلکہ وہ بے ترتیبی کے ساتھ اِدھر اُدھر بھاگتا ہے اور اس کی گردش میں کھردرا پن اور ارتعاش بڑا واضح نظر آتا ہے۔ یہ ایک بنیادی ضابطہ ہے کہ اگر گردش کرنے والے جسم کا مرکز ثقل اس کے محور پر واقع نہ ہوتو وہ یکساں اور ہموار حرکت کرنے کے بجائے لڑکھڑانے لگتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اچھی کارکردگی کیلئے گھومنے والے اجسام کو بیلنس کیا جاتا ہے۔ اِس مقصد کے حصول کیلئے مختلف جگہوں سے مادہ کی مقدار کم یا زیادہ کی جاتی ہے تا کہ مرکز ثقل عین محور پر منتقل ہو جائے۔فضاء میں پرواز کرتے ہوئے یا خلاء میں تیرنے والے اجسام کیلئے یہ بیلنس بہت ہی زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے حرکیاتُ الھواء (Aerodynamics) کا علم رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ پرواز کے دوران اگر جہاز کے پر یا دُم پر کسی پرندہ یا گولی کے لگ جانے سے سطح میں تبدیلی آجائے تو ہوا کے دباؤ میں اتنا فرق واقع ہوجاتا ہے کہ پائلٹ کیلئے جہاز کو سنبھالنا ممکن نہیں رہتا اور وہ قلابازیاں کھاتا ہوا زمین پر آگرتا ہے۔

اب ذرا اپنی عظیم الجثہ زمین کے بارے میں غور فرمایئے جو اپنے محور کے گرد گھومنے کے ساتھ ساتھ اپنے مقررہ مدار میں تیرتی ہوئی مسلسل چل رہی ہے۔اگر یہ صحیح طور بیلنس نہ ہوتی تو کبھی بھی کسی مقررہ راستہ پر نہ چل سکتی۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین کو اس مہارت اور نفاست سے بیلنس کر رکھا ہے کہ ہم انسان جو اس کی سطح پر آباد ہیں بلکہ یوں کہیے کہ اس پر سوار خلا میں 60 ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے مسلسل سفر کررہے ہیں اس کی کسی حرکت کو محسوس تک نہیں کرسکتے۔اللہ تعالیٰ نے یہ کام زمین کے مختلف مقامات پر پہاڑوں کو ڈال کر کیا۔چنانچہ سورۃ الانبیاء آیت 31 میں ارشاد فرمایا۔

وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بھم o

''اور ہم نے زمین میں پہاڑ ڈال دیئے تا کہ اُن کو لے کر کسی ایک طرف جھک نہ جائے''

سائنسدان غالباً ابھی یہ معلوم نہیں کرسکے کہ زمین اور پہاڑ اپنی خلقت اور مادہ کی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ابتدائی سائنس کا وہ نظریہ اب بوسیدہ ہو چکا ہے کہ جب

زمین کا سرخ گولہ آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہوا تو جو سخت حصے تھے وہ اوپر اُٹھ آئے اور پہاڑ بن گئے۔ قرآن میں صاف صاف لکھا ہے کہ پہاڑ زمین کے اوپر سے خلا میں سے ڈالے یا گرائے گئے تھے۔ چنانچہ سورۃ حم سجدۃ آیت 10 میں ارشاد ہوا ہے۔ **وجعل فیھا رواسی من فوقھا۔** یعنی اللہ نے زمین پر اس کے اوپر سے پہاڑ ڈالے۔ زمین چونکہ اپنے محور پر شرقاً غرباً گھومتی ہے اور گھومتی ہوئی زمین پر خلا سے جو مادہ گرایا گیا ہوگا اس کا پھیلاؤ بھی زیادہ تر شرقاً غرباً ہی ہونا چاہئے۔ اسی نقطہ نظر سے دنیا کے مشہور سلسلہ ہائے کوہ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے کہ کیا ہمالیہ کی طرح وہ بھی شرقاً غرباً پھیلے ہوئے ہیں؟

اس کے علاوہ جب قیامت کا عظیم حادثہ برپا ہوگا تو اس منظر کو بیان کرتے ہوئے بھی قرآن نے پہاڑوں کا ذکر جس انداز سے کیا ہے اِس سے بھی یہی اشارے ملتے ہیں کہ پہاڑوں کے مادے کی نوعیت زمین سے قطعی مختلف ہے اور قیامت میں ان کی ماہیت بھی بدل جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **وتکون الجبال کالعھن المنفوش** o (القارعۃ۔5)

''اُس دن پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دُھنکی ہوئی رنگ برنگی اُون'' قرآن میں دوسری جگہوں پر بھی زمین کے صرف زلزلے کا ذکر آتا ہے لیکن پہاڑوں کے بارے میں اِنکی ہیئت کی تبدیلی کا واضح بیان ہے مثلاً۔

''اور جب زمین بھونچال سے لرزنے لگے اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں پھر غبار ہو کر اُڑنے لگیں''۔ (سورۃ واقعہ۔4-6)

''اُس دن آسمان ایسا ہو جائے گا جیسا پگھلا ہوا تانبا اور پہاڑ جیسے رنگین اُون''

(سورۃ المعارج 8-9)

''اور جب آسمان پھٹ جائے اور جب پہاڑ اُڑے اُڑے پھریں''

(سورۃ المرسلات۔10,9)

''جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے''۔ (سورۃ التکویر:1-3)

اِن آیات مبارکہ سے یہ نشاندہی ہوتی ہے کہ قیامت کے عظیم زلزلے اور نظام شمسی کی تباہی

کے ساتھ ساتھ زمین پر واقع پہاڑ جو وزن اور سختی کی علامت ہیں اس دن دُھنکی ہوئی اُون کی طرح نرم اور ہلکے ہو جائیں گے۔قرآن کریم میں دوسرے کئی مقامات پر جبال اور ارض یعنی پہاڑوں اور زمین کا ذکر علیحدہ علیحدہ کیا گیا ہے گویا اِن دونوں کی ماہیت الگ الگ اگر کوئی مسلمان ہیئت دان یا ماہر طبقات الارض اِس نکتۂ نظر سے مزید تحقیق کرے تو جدید انکشافات سے اِس علم میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوسکتا ہے۔

قرآن کریم میں زمین کی ساخت کے بارے میں جو روشنی ڈالی گئی ہے اِس سے بھی کسی مسلمان عالم نے استفادہ نہیں کیا۔طبقات الارض پر تحقیق کرنے والے یورپی ماہرین نے زمین کی بناوٹ، آتش فشاں پہاڑوں اور زلزلوں کے بارے میں جو جو جدید نظریہ پیش کیا ہے وہ قرآنی حقائق کی صداقت کے تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔ **الم نجعل الارض مهدا ٥والجبال اوتادا ٥**(النباء7,6)''کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو بنایا بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں'' اگر زمین کو مٹی کا ایک ہی عظیم الجثہ گولہ مانا جائے تو اس میں پہاڑوں کی میخوں کی کوئی افادیت سمجھ میں نہیں آتی۔کیونکہ میخیں ہمیشہ مختلف تختوں یا تہوں کو مربوط کرنے اور آپس میں پیوست رکھنے کیلئے استعمال ہوتی ہیں۔ایک ہی جسم میں میخوں کے استعمال سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔جدید نظریہ کے مطابق زمین کی اندرونی ساخت بہت بڑی بڑی پلیٹوں یا تختوں پر مشتمل ہے۔یہ پلیٹیں سینکڑوں کلومیٹر چوڑی اور ہزاروں کلومیٹر لمبی ہوتی ہیں۔زمین کی اندرونی حرارت، گیسوں کا دباؤ اور دوسرے عوامل کے زیر اثر یہ پلیٹیں سرکتی رہتی ہیں۔اس حرکت کی وجہ ہی سے زلزلے آتے اور اندرونی دباؤ میں اضافہ کی وجہ سے پہاڑ لاوہ اور آگ اُگلنے لگتے ہیں۔ماہرین نے تجربات کی مدد سے ان پلیٹیوں کی حدود متعین کرکے اِنکے نقشے بھی بنالئے ہیں۔یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جن ملکوں میں زیادہ زلزلے آتے ہیں وہ خاص خاص پلیٹوں پر واقع ہیں۔اِس نظریہ کی بدولت پہاڑوں کا ایک نیا کردار سامنے آیا ہے کہ انہوں نے زمین کے ان تختوں کو آپس میں پیوست کررکھا ہے اور انہیں حرکت کرنے سے روکتے ہیں کیونکہ یہ کئی کلومیٹر کی گہرائی تک زمین میں گڑے ہوئے ہوتے ہیں۔اگر پہاڑ نہ ہوتے تو زلزلوں کی شدت اور کثرت تباہی مچاتی رہتی۔اس طرح زمین کی پلیٹوں کو مربوط رکھنے کیلئے پہاڑوں کی

میخوں کا کردار اُجاگر ہو گیا ہے۔ زمین کی اندرونی پلیٹوں کے بارے میں سورۃ الرعد آیت 4 میں فرمایا گیا۔

وفی الارض قطع متجورت۔

''یعنی زمین کے اندر قطعات ہیں باہم ایک دوسرے سے ملے ہوئے''۔

آسمان کی محفوظ چھت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

وجعلنا السماء سقفا محفوظ وھم عن ایتہ معرضونo

''اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنادیا ہے۔ اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں''۔ (الانبیاء۔32)

ہم انسان جو اپنے مکان تعمیر کرتے ہیں تو اُن کی چھتیں ہمیں دھوپ، بارش اور اُولوں سے بچاتی ہیں یا کسی کے پھینکے ہوئے پتھروں یا بندوق کی گولیوں سے ہمیں محفوظ رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ایک محفوظ چھت قرار دیا ہے لیکن آسمان سے دھوپ، بارش اور اُولے ہم تک پہنچتے رہتے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اس چھت کی نوعیت کیا ہے اور انسان اس کی افادیت کے کون کون سے پہلوؤں سے ابھی تک آگاہ ہو سکا ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ ہمارے نظام کی خلاء میں شہاب ثاقب کی ایک کثیر تعداد گردش کر رہی ہے۔ اِن میں سے جب کوئی شہاب کسی وجہ سے زمین کے قریب سے گذرتا ہے تو زمین کی کشش ثقل اِسے اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ زمین کی کشش کی وجہ سے شہاب کی رفتار میں 32 فٹ فی سیکنڈ کے حساب سے مزید اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کی رفتار پچیس ہزار میل فی گھنٹہ تک پہنچ سکتی ہے۔ اِس رفتار کے ساتھ جب وہ زمین کے فضائی کرہ میں داخل ہوتا ہے تو ہوا کی رگڑ کی وجہ سے اس کا اندرونی درجہ حرارت اِس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ جل اُٹھتا ہے۔ جسے ہم دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ آسمان سے تارا ٹوٹا ہے۔ حالانکہ اس کا آسمان کے کسی ستارے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق ہر روز تقریباً چھیاسی لاکھ چھوٹے موٹے شہابی ٹکڑے کرہ ہوائی میں داخل ہوتے ہیں اور قریباً 80 میل کی بلندی پر ہی جل کر بھسم ہو جاتے

ہیں۔ اِن کی راکھ فضا میں بکھر جاتی ہے اور کم و بیش ایک ماہ میں زمین تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ فضا سے ہر سال کم از کم دس کروڑ ٹن کی مقدار میں شہابی راکھ سطح زمین پر برستی ہے۔ بعض شہابی اجسام جو بڑے حجم کے ہوں اور فضا میں داخل ہوتے وقت ان کی رفتار بھی کم ہو وہ زمین تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ آج سے ہزاروں برس پہلے امریکہ کے ریگستان اریزونا میں گرنے والا شہاب سب سے بڑا تھا جو لاکھوں ٹن وزنی تھا۔ اس کے گرنے سے 575 فٹ گہرا گڑھا ہو گیا تھا جو آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اردگرد یہ فضائی غلاف اگر نہ بنایا ہوتا تو شہابی اجسام کی شدید بمباری زمین پر تباہی مچا دیتی۔ جیسا کہ چاند کی سطح پر ہوتا ہے۔ چاند کے اردگرد چونکہ ہوا کا وجود نہیں ہے اِس لئے وہاں شہابی اجسام مسلسل گرتے رہتے ہیں اور چاند کی سطح شہابی گڑھوں سے بھری پڑی ہے۔ زمین کے گرد اتنی بلندی تک بنائی گئی یہ ہوائی پٹی ہمارے لئے حقیقی معنوں میں ایک محفوظ چھت کی حیثیت ہی رکھتی ہے جس کی وجہ سے ہر روز لاکھوں کی تعداد میں گرنے والے شہابی اجسام فضا ہی میں جل کر راکھ ہو جاتے ہیں اور ہم تک نہیں پہنچ پاتے۔ یہ سب انتظام اللہ کی رحمت اور مہربانی کی وجہ سے وجود میں آئے اور اللہ تعالیٰ سورۃ الحج کی آیت نمبر 65 میں اِس نعمت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ **ویمسك السماء ان تقع علی الارض الا باذنه إن الله بالناس لروف رحیم** o ''وہ تھام رکھتا ہے آسمان کو کہ زمین پر گر نہ پڑے مگر اِس کے حکم سے۔ بے شک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے''۔

شہابی اجسام سے حفاظت کے علاوہ اِس آسمانی چھت کا ایک نہایت ہی اہم کردار ماوراء بنفشی شعاؤں (ULTRA VIOLET RADIATION) کو روکنا ہے یہ کام اوزون (Ozone) گیس کی پتلی سی تہہ سرانجام دیتی ہے۔ اوزون گیس آکسیجن ہی کی ایک صورت ہے۔ آکسیجن (O_2) زندگی کیلئے نہایت اہم ہے لیکن اِس کے برعکس اوزون (O_3) حیوانی اور نباتی زندگی کیلئے انتہائی مضر ہے۔ فضا میں اِس گیس کی مقدار حجم کے لحاظ سے نہایت قلیل یعنی 0.000007 فیصد ہے اور یہ زمین کے اردگرد 15 سے 30 کلومیٹر کی بلندی پر ایک غلاف بنائے ہوئے ہی۔ اگر ساری اوزون گیس سطح سمندر پر اکٹھی کی جائے تو اِس کی موٹائی صرف چند

ملی میٹر یعنی کھڑکیوں میں اِستعمال ہونے والے شیشے کی موٹائی کے برابر ہو گی۔اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی یہ پتلی سی چھت انسان کی حفاظت ہی نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔سورج سے آنے والی تمام ماوراء بنفشی شعائیں اگر زمین تک پہنچ جائیں تو آنکھوں کی بیماریوں،جلد کے کینسر اور عجیب الخلقت بچوں کی پیدائش کا باعث بن جائیں اور فصلوں کی پیداوار میں کمی واقع ہو جائے۔لیکن اوزون کی حفاظتی تہ کی وجہ سے ایسا نہیں ہو پاتا۔جب سورج کی یہ مضر شعائیں اوزون گیس کے عناصر سے ٹکراتی ہیں تو انہیں توڑ کر آکسیجن اور آکسیجن کے ایک آزاد ایٹم میں تبدیل کر دیتی ہیں۔(03 UV 02+0)اِس طرح اِن شعاؤں کا تقریباً 90%اس عمل میں صرف ہو جاتا ہے اور اِن شعاؤں کی صرف قلیل سی مقدار زمین تک پہنچ پاتی ہے۔اوزون کے ٹوٹنے سے آکسیجن کا جو آزاد ایٹم بنتا ہے وہ فوراً ہی عام آکسیجن کے ایٹم کے ساتھ مل جاتا ہے جس سے پھر اوزون بن جاتی ہے اور حفاظتی تہہ میں شامل ہو جاتی ہے۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس کم علم اور ناشکر گذار انسان کی حفاظت اور بقاء کیلئے کیسے کیسے عجیب وغریب اِنتظامات کر رکھے ہیں۔اللہ جانے انسانی علم میں اضافے کے ساتھ ساتھ اِس آسمانی چھت کے مزید کتنے کردار سامنے آئیں گے۔

حال ہی میں اوزون کی حفاظتی تہ میں ایک بہت بڑا سوراخ ہو جانے کے انکشاف نے دُنیا بھر میں سنسنی کی ایک لہر دوڑا دی کیونکہ اس کی وجہ سے مضر صحت شعاؤں کی مقدار خطرناک حد تک پہنچ کر جلدی کینسر اور دوسری بیماریاں پھیلا کر ساری دُنیا کی تباہی کا خطرہ پیدا کر سکتی تھی۔یہ مصیبت انسان کی اپنی پیدا کردہ ہے کیونکہ ائیر کنڈیشنر،ریفریجریٹر اور فوم کی صنعت میں استعمال ہونے والا کیمیاوی مادہ کلورو فلورو کاربن (CFC) فضا کے اوپر والے منطقے میں پہنچ کر اوزون گیس ختم کر رہا ہے۔چونکہ تباہی کا خطرہ ساری دنیا کیلئے مشترکہ تھا اِس لئے اس پر سوچ بچار کرنے کیلئے عالمی سربراہی کانفرنس منعقد کرنا پڑی جس میں کلورو فلورو کاربن کے اِستعمال کو حتی المقدور محدود کرنے اور اِس کی متبادل تلاش اور استعمال کرنے کی سفارشات منظور کی گئیں۔بحر و بر اور فضا کی آلودگی کا فساد انسان کے اپنے ہاتھوں کا پھیلایا ہوا ہے اور اللہ اِس کا ذائقہ چکھاتا رہتا ہے تاکہ انسان اپنے رب کی طرف رجوع کرے۔(جاری ہے)

مکافات عمل

مرتب! ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

باپ کی بددُعا (راوی! عزیر عطاء فاروقی)

1996ء سے 2000ء تک چار سال کا عرصہ روزگار کے سلسلے میں میں نے ملائیشیاء کے صدر مقام کوالالمپور میں گزارا۔ میں وہاں مسجد انڈیا کے علاقے میں سیلنگور مینشن میں مقیم تھا جہاں اور کئی پاکستانی بھی رہتے تھے جن میں چاچا رحمت بھی تھا۔ عمر اُس کی تقریباً پچپن سال تھی اور وہ سرگودہا کے قریب ایک گاؤں کا رہنے والا تھا۔ سوکھا سڑا، نحیف و نزار، سستے میلے کپڑے، گویا وہ بے چارگی اور افسردگی کی مجسم تصویر تھا۔ ہم نے اُسے کبھی مسکراتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ گم سم پریشان رہتا، خوف اور حزن نے اُس کے چہرے پر جیسے مستقل بسیرا کرلیا تھا۔ اُسے اچھا کھانا بھی نصیب نہ ہوتا۔ سستے ہوٹل سے جہاں دال یا شوربہ مفت ملتا ہے، وہ ایک وقت میں صرف دو روٹیاں کھاتا تھا۔ کنجوسی اور رجز رسی اس کے کردار کا لازمی جزو بن گیا تھا۔ اندازہ کریں کہ اُس نے کہیں مستقل رہائش اختیار نہیں کی تھی تھوڑے دن کیلئے کہیں ایک جگہ پناہ لے لیتا اور پھر کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جاتا۔

ہر ہفتے کی شام کو ہم سب پاکستانی سری پتالنگ تبلیغی مرکز میں اکٹھے ہوا کرتے۔ بیان سننے کے بعد اجتماعی کھانا کھاتے اور پھر رات گئے تک اپنی آپ بیتیاں سناتے سناتے سو جایا کرتے۔ مورخہ 7 نومبر 1998ء کو نمازِ عصر کے بعد میں چاچا رحمت کی قیام گاہ پر گیا تاکہ اُسے اپنے ساتھ تبلیغی مرکز لے چلوں۔ مگر وہاں جا کر پتہ چلا کہ وہ تیز بخار میں مبتلا ہے اور بغیر کسی دوا کے یونہی پڑا ہوا ہے۔ پتہ چلا کہ وہ صبح سے بھوکا بھی ہے۔ چنانچہ میں پانچویں فلور سے نیچے آیا۔ ایک میڈیکل سٹور سے دوائی اور دودھ اور کھانے کی کچھ چیزیں لے کر اُس کے پاس گیا، چاچا نے دودھ پیا، ڈبل روٹی کھائی تو اُس کی طاقت کچھ بحال ہوگئی۔ پھر میں نے اُسے دوا کھلائی تو وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ دروازہ بند کردیں آج میں آپ کو اپنی کہانی سنانا چاہتا ہوں۔

اور اس کی بعد چاچا رحمت نے جو واقعات سنائے اُنہوں نے مجھے خوفزدہ کر دیا

اور میرے ذہن اور کردار پر بڑے ہی دوررس اثرات مرتب کئے۔ یہ عبرت ناک اور سبق آموز کہانی آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔ کیا خبر یہ کس کس کو خوابِ غفلت سے بیدار کردے۔

چاچا صاحب نے بتایا: عزیز صاحب! میرے والد بہت بڑے زمیندار تھے میں بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ تین بھائی اور دو بہنیں مجھ سے چھوٹے تھیں۔ بدقسمتی سے میری طبیعت شروع ہی سے آوارگی کی طرف مائل تھی۔ آٹھویں سے آگے نہ پڑھ سکا۔ چھوٹے بہن بھائیوں پر رُعب گانٹھنا اور ہم عمر لڑکوں کی پٹائی کرنا میرا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ جوان ہوا تو با قاعدہ بدمعاش بن گیا اور پھر ایک دن میں گاؤں کی ایک خوبصورت لڑکی سے زبردستی شادی کرلی۔

شادی کے جلد بعد میں نے باپ سے مطالبہ کیا کہ میرے حصے کی زمین میری ملکیت میں دے دیں۔ باپ نے پس وپیش کیا تو میں نے سختی کی اور باپ نے ساری زمین شرعی اعتبار سے ساری اولاد میں تقسیم کردی۔ میرے حصے میں بیالس ایکڑ آئے۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ میری بیوی نے مجھے ترغیب دی کہ یہ جو باپ نے اپنے قبضے میں زمین رکھی ہوئی ہے، اُس سے مطالبہ کرو کہ وہ بھی ہمیں دے دے۔ ماں باپ کو تو اب تین وقت کی روٹی کی ضرورت ہے، وہ ہم انہیں دے دیا کریں گے۔

میں نے باپ سے یہ بات کی تو اُس نے جواب دیا کہ دیکھو تمہارے حصے کی زمین میں تمہیں دے چکا ہوں۔ اس زمین کے بارے میں میں نے وصیت کی ہوئی ہے کہ میری وفات کے بعد یہ گاؤں کی مسجد اور مدرسے کو دے دی جائے۔ یہ زمین میں تمہیں نہیں دے سکتا۔

لیکن میں نے اصرار کیا کہ یہ زمین بھی میرے قبضے میں دی جائے اور جب باپ نے سختی سے انکار کیا تو میں نے اُسے گھونسوں اور مکوں سے مارنا شروع کردیا۔ اس پر بھی وہ نہ مانا تو میں اُس کے سر پر جوتے مارنے لگا اور اتنے جوتے مارے کہ اُس کے کان سے خون بہنے لگا اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ میں اُسے اسی حالت میں چھوڑ کر ڈیرے پر چلا گیا۔

تقریباً دو گھنٹے گزرے تھے کہ میری ماں میرے پاس آئی۔ کہنے لگی کہ تمہارے باپ کو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ہوش آتا تھا اور وہ تمہارے لئے دُعا کرتا تھا۔ میں نے پوچھا کیا دُعا کرتا تھا تو

بتایا وہ کہتا تھا خدایا میرے بیٹے کو معاف کر دے، اُسے ایسی اولاد نہ دے جو اُسے مارے، اُس کی پٹائی کرے۔

ماں نے یہ بھی بتایا کہ تمہاری چھوٹی بہن نے اپنے حصے کی زمین تمہیں دینے کا اعلان کر دیا ہے۔اب خوش ہو جاؤ اور گھر چلو۔

میں بہن کا اعلان سن کر بہت خوش ہوا۔اسے اپنی فتح سمجھا اور گھر آ گیا۔

چاچا رحمت نے بتایا عزیز صاحب! میرا باپ اِس واقعے کے بعد گم سم رہنے لگا، وہ کوئی بات نہیں کرتا تھا، اِسی حالت میں وہ ایک روز رات کو سویا اور صبح بیدار نہ ہوا۔نیند ہی میں کسی وقت اُسے موت نے آ لیا۔

چاچا رحمت نے بتایا: میری محبوب بیوی نے پانچ سال کے عرصے میں تین بیٹیوں کو جنم دیا اور پھر اُسے کینسر کے موذی مرض نے آ لیا اور وہ دو سال تک شدید اذیت میں مبتلا رہ کر فوت ہوگئی۔ اس کے علاج پر میں نے پیسہ پانی کی طرح بہایا حتیٰ کہ تقریباً نصف رقبہ مجھے فروخت کرنا پڑا، مگر اُس کی صحت بحال نہ ہوئی۔

اِس کے بعد میں نے دوسری شادی کی، اِس خاتون سے میری چار بیٹیاں پیدا ہوئیں چونکہ مجھے بیٹے کی شدید خواہش تھی، اس لئے میں نے تیسری شادی کی لیکن لگتا ہے کہ باپ نے تو مجھے معاف کر دیا تھا، مگر خدا نے معافی نہ دی اور تیسری بیوی سے بھی چار لڑکیاں پیدا ہوگئیں۔اس طرح میرے گھر میں بیٹیوں کی تعداد گیارہ ہوگئی۔اور خدا نے مجھے ایک بھی بیٹا عطا نہ کیا۔گویا باپ کی وہ دُعا دردناک انداز میں قبول ہوگئی کہ خدایا میرے بیٹے کو ایسی اولاد نہ دینا جو اُسے مارے، جو اس کی پٹائی کرے۔

چاچا رحمت نے بتایا: عزیز صاحب! مجھ پر اللہ کی ناراضگی کا کوڑا پوری شدت کے ساتھ برسا۔میرے رزق سے برکت بالکل ہی رُخصت ہوگئی۔ساری کی ساری زمین بک گئی۔میری بہنوں اور بھائیوں نے میرا مکمل بائیکاٹ کر دیا اور جوان ہوتی ہوئی گیارہ بیٹیوں نے میری راتوں کی نیند اور دن کا سکون غارت کر دیا۔میری صحت برباد ہوگئی اور میں پائی پائی کا محتاج ہوگیا حتیٰ کہ تنگ آ کر، خوفزدہ ہو کر میں یہاں آ گیا ہوں اور جس طرح کی زندگی گزار رہا ہوں، وہ آپ کے

سامنے ہے۔ نہ اچھا کھانا نصیب ہے نہ اچھا لباس پہنتا ہوں۔ پیسہ پیسہ بچا کر بیویوں کو اور بیٹیوں کو بھیجتا ہوں۔ مگر پھر بھی سکون کو ترس گیا ہوں، گیارہ بیٹیوں کے مستقبل کا خیال مجھے سانپوں کی طرح ڈستا رہتا ہے اور میری زندگی جہنم کا نمونہ بن گئی ہے۔

یہ واقعہ سنانے کے دوران بھی چاچا رحمت بار بار اشکبار ہوتا رہا اور آخر میں وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ خوف اور عبرت سے میرے بھی آنسو نکل آئے۔

چاچا رحمت جب مسلسل بیمار رہنے لگا اور مزید کمزور ہو گیا تو ہم پاکستانی دوستوں نے مل کر چندہ اکٹھا کیا اور اُسے واپسی کا ٹکٹ خرید دیا اور وہ پاکستان آ گیا جہاں وہ ایک سال کے اندر ہی وفات پا گیا۔

غرور اور بدعملی کی سزا

میں چار سال تک ملائیشیاء میں ملازمت کرتا رہا۔ وہاں میری تنخواہ بہت اچھی تھی اور میں خاصا خوشحال تھا۔ ایک روز میں کوالالمپور کی مسجد انڈیا سے نمازِ عصر پڑھ کر نکلا تو سیڑھیوں پر ایک خوبرو مگر خستہ حال پاکستانی نوجوان کو بیٹھے دیکھا۔ اُس کی شلوار اور پنڈلیاں خون آلود تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ساحلی جنگل میں سے چھپتا چھپاتا غیر قانونی طور پر یہاں آیا ہے اور جونکوں نے اُس کا خوب خوب خون پیا ہے۔ تعارف ہوا تو پتہ چلا کہ وہ پاکستان کے شہر حافظ آباد کا رہنے والا ہے۔ تھائی لینڈ سے بارڈر کراس کر کے آیا ہے، ایجنٹ نے سارا ضروری سامان لانچ سے سمندر میں پھینک دیا تھا اور اب وہ بالکل خالی ہاتھ اور بے سرو سامان ہے۔

اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے توفیق دی اور میں اُس نوجوان کہ جس کا نام محمد یوسف تھا، اپنی قیام گاہ پر لے آیا۔ وہ ایک مہینہ میرے پاس رہا اور میں اُس سے خاطر خواہ تعاون کرتا رہا۔ وہ خاندانی طور پر نائی تھا اور ہر طرح کے کھانے پکانے کا بہت ماہر تھا۔ لیکن فوری طور پر اُسے کنسٹرکشن میں ملازمت مل گئی۔ حافظ آباد سے تعلق رکھنے والے اُس کے کئی دوست بھی اُسے مل گئے اور وہ اُن کے پاس منتقل ہو گیا۔ اِس دوران میں یعنی دو ماہ کے عرصے میں اُس میں ایک تبدیلی یہ آئی کہ پہلے اس کے خوبصورت چہرے پر چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی جو بہت خوبصورت لگتی تھی، لیکن پھر اُس

نے اس نعمت سے چھٹکارہ حاصل کرلیا جس کا مجھے بہت افسوس ہوا۔خیر دو ماہ کے بعد وہ کسی دوسری جگہ چلا گیا اور عرصے تک اُس سے رابطہ منقطع رہا۔

تقریباً ڈیڑھ سال گزرا تھا کہ میں اپنی کمپنی کے ساتھ کوالالمپور سے نوسو کلومیٹر کے فاصلے پر ریاست کدہ کے صدر مقام الورسٹار ALOR STAR میں ڈیوٹی پر تھا کہ ایک دوپہر کو ایک ہوٹل میں کھانا کھانے گیا۔وہاں میرے سامنے والی میز پر شیف (باورچی) کی یونیفارم میں ایک نوجوان آ کر بیٹھا۔وہ محمد یوسف تھا اُسے پہچاننے میں مجھے کچھ وقت لگا، تاہم دونوں کو بہت خوشی ہوئی۔بغل گیر ہوئے، حال احوال پوچھا،محمد یوسف اِسی ہوٹل میں شیف تھا، بہت اچھی تنخواہ لے رہا تھا اور ہوٹل والوں نے رہائش کیلئے اُسے ایک فلیٹ مہیا کر رکھا تھا (ملائیشیاء میں ہنرمندوں کی بڑی قدر ہے اور مختلف ادارے اُن کے نخرے اُٹھاتے ہیں)۔

محمد یوسف رات کو میری رہائش گاہ پر آیا اور بہت اصرار کر کے سامان اُٹھا کر مجھے اپنے فلیٹ میں لے گیا۔اُس کے فلیٹ پر ہر طرح کی آسائش موجود تھی۔اُس نے دو اور لڑکوں کو بھی اپنے پاس ٹھہرایا ہوا تھا جن میں مدراس سے تعلق رکھنے والا ایک انڈین لڑکا سلیم تھا۔جس ہوٹل میں یوسف باورچی (شیف) کی حیثیت سے کام کرتا تھا،سلیم وہیں برتن دھونے پر مامور تھا اور یوسف کے فلیٹ پر اُسے مفت رہائش مل گئی تھی۔بدلے میں سلیم یوسف کے کپڑے دھو دیتا، انہیں اِستری کر دیتا اور چھوٹے موٹے کام بھی کر دیتا تھا۔

سلیم بہت نیک اور پارسا نوجوان تھا۔پنج وقتہ نماز کے علاوہ تہجد اور اشراق کا بھی اہتمام کرتا تھا۔بہت خوش اخلاق تھا۔مجھے بھیا کہہ کر مخاطب کرتا اور میرے بھی کپڑے دھو دیا کرتا۔لیکن سلیم کا المیہ یہ تھا کہ وہ پیدائشی مخنث تھا یعنی مردانہ صفات سے عاری تھا۔یوسف اُس سے بہت کم سیدھے انداز میں بات کرتا اور عموماً دھتکار کر، توہین آمیز انداز میں مخاطب ہوتا تھا۔میں اُسے سمجھایا کرتا کہ سلیم پہلے ہی محرومی کا شکار ہے، تمہارے سلوک سے وہ اور زیادہ دل شکستہ ہوگا۔اور پھر ہم لوگوں کو اس کی اِس اعتبار سے قدر کرنی چاہیے کہ اس جنس کے نوجوان گلیوں بازاروں میں گاتے بجاتے، غیر سنجیدہ حرکتیں کرتے ہیں، لیکن یہ چارہ محنت کرتا ہے، نیکی پر کاربند ہے اور بے حد عبادت گزار ہے، مگر افسوس کہ یوسف ایک تو اپنی شخصیت کے غرور میں مبتلا تھا دوسرے دولت کا

نشہ اُس پر چھایا رہتا تھا اور اب وہ شراب بھی پینے لگا تھا اور باقی غیر اخلاقی حرکتوں میں بھی وہ کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا۔ اِس لئے میری باتوں کا اُس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

الورسٹار میں ہماری کمپنی کا کام ختم ہوگیا۔ چار دن کے بعد ہمیں واپس کوالالمپور جانا تھا کہ ایک روز جب میں کام سے واپس آیا، تو دیکھا کہ یوسف تو اپنے کمرے میں فلم دیکھ رہا ہے، لیکن قریب ہی دوسرے کمرے سے سلیم کے رونے کی آواز آرہی ہے۔ مجھے بہت تشویش ہوئی، میں سلیم کے کمرے میں گیا تو وہ تکیے میں منہ چھپائے زار زار رو رہا تھا، میں نے پوچھا کیا خیریت تو ہے، تو وہ بولا خیریت نہیں ہے، بس میں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے پوچھوں گا کہ مجھے ایسا کیوں بنایا تھا؟

میں سمجھ گیا کہ یوسف نے اِس کے ساتھ کوئی بہت بری حرکت کی ہے۔ میں یوسف کے پاس گیا اور تلخی سے پوچھا کہ یہ تم نے سلیم کے ساتھ کیا کیا ہے تو بد بخت بڑی بے نیازی اور ڈھٹائی سے بولا کہ آج مستی بہت چڑھ گئی تھی، اس لے میں نے اِس سالے ہی کو پکڑ لیا تھا۔

میں نے یوسف کو لعنت ملامت کی کہ تم نے بہت برا کیا۔ ابھی وقت ہے سلیم سے اور خدا سے معافی مانگ لو، ورنہ تمہیں اس کا بہت بڑا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ یاد رکھو کہ اُس نے خدا کے ہاں مقدمہ دائر کر دیا ہے اور خدا ظلم کو بالکل معاف نہیں کرتا۔ یہاں پر صورتِ حال کے پیشِ نظر میں نے سلیم کو پیش کش کی کہ اگر وہ میری کمپنی میں کام کرنا چاہے تو میں باس سے بات کرتا ہوں، مگر اس نے بتایا کہ میرا ورک پرمٹ ختم ہو رہا ہے۔ میں اب مزید یہاں پر نہیں ٹھہروں گا اور واپس انڈیا چلا جاؤں گا۔ میں پروگرام کے مطابق دو دن کے بعد کوالالمپور واپس آ گیا۔

تین یا چار ماہ گزرے تھے کہ ایک روز لاہور سے تعلق رکھنے والے ایک لڑکے اصغر کا فون آیا کہ یوسف کا روڈ ایکسی ڈنٹ ہوگیا ہے اور اُسے ہم کوالالمپور لا رہے ہیں۔ اصغر یوسف کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ چنانچہ میں ہسپتال پہنچ گیا جہاں رات کے تقریباً ڈھائی بجے ایمبولنس یوسف کو لے کر آئی اور سیدھی ایمرجنسی میں چلی گئی۔ میں یوسف کی صرف ایک جھلک ہی دیکھ سکا۔ اُس کا چہرہ خون سے لت پت تھا۔ تاہم اصغر سے ملاقات ہوگئی۔ اُس نے بتایا کہ حادثہ اس قدر شدید تھا کہ یوسف کا ایک جبڑا ٹوٹ گیا ہے۔ اس کی بائیں آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل گیا ہے اور جسم پر بے شمار

چوٹیں آئی ہیں۔

یوسف کے باس کا بھائی جو کوالالمپور ہی میں رہتا تھا، وہ بھی آ گیا تھا۔ میں نے اصغر سے اور باس کے بھائی سے اجازت لی کہ اسوقت وہاں ٹھہرنے کا فائدہ بھی نہیں تھا اور صبح ڈیوٹی پر جانا تھا۔

دوسری شام کو میں پھر ہسپتال گیا۔ یوسف کو دیکھا، اُس کا سر اور منہ، پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا اور خاص سانچے میں جکڑا ہوا تھا، اس روز اُس سے کوئی بات نہ ہو سکی۔

تین دن کے بعد پتہ چلا کہ یوسف کے جسم پر بہت زخم آئے ہیں اور چار پسلیاں ٹوٹ گی ہیں۔ اُسے سر پر بھی سخت چوٹیں آئی ہیں۔ اکیس دن کے بعد یوسف کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تو میں اُسے اپنی رہائش گاہ پر لے آیا۔ اب دوائیں کھانی تھیں اور کچھ احتیاطیں کرنی تھیں۔ اُس کے زخم تیزی سے ٹھیک ہو رہے تھے۔ مگر اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا اور اُس کی شخصیت کی دلکشی ختم ہو گئی تھی۔ وہ اندر سے ٹوٹتا جا رہا تھا اور شدید پریشان تھا۔ یوسف کے اخراجات اُس کے باس کے بھائی باقاعدگی سے آ کر ادا کر جاتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ اس کا باس بہت اچھا انسان تھا ورنہ ملائیشیاء میں اچھا باس ملنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔

چند روز مزید گزرے یوسف کے کچھ ضروری ٹیسٹ ہوئے تو پتہ چلا کہ حادثے کی وجہ سے وہ مردانہ صلاحیت سے محروم ہو گیا ہے۔ تب مجھے مدارس کے محمد سلیم کا وہ فقرہ بہت یاد آیا جو اُس نے شدت سے روتے ہوئے ادا کیا تھا کہ میں اللہ سے پوچھوں گا کہ تو نے مجھے ایسا کیوں بنایا تھا۔ اللہ نے اُس کی فریاد سن لی تھی اور یوسف کو اُس کی بدعملی اور ظلم کی سخت سزا دی تھی۔

یوسف کئی دن تک میرے پاس مقیم رہا۔ وہ مجھ سے نظریں نہیں ملاتا تھا۔ میں اُسے شدید ڈیپریشن میں اکثر روتے ہوئے دیکھتا تھا۔

یوسف شادی شدہ تھا، حافظ آباد میں اُسکی بیوی بھی تھی اور بچے بھی، لیکن شرمندگی اور خوف کی وجہ سے اُس نے پاکستان جانا چھوڑ دیا۔ میں تو 2000ء میں واپس آ گیا اب نہ جانے وہ کس حال میں ہے اور اپنے گناہ کی سزا کس صورت میں بھگت رہا ہے۔

ناسخ اور منسوخ کا مسئلہ

سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

قرآن کریم میں غور و فکر کیلئے ناسخ اور منسوخ کے مسئلہ کو سمجھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ یہ مسئلہ قرآن الحکیم کے متعلق نازک ترین مسائل میں سے ایک ہے جس کو بہت اُچھالا گیا ہے اور آج کل منافقین اسے موضوع بنا کر اسلام کے انتہائی محترم بزرگوں کے حوالہ سے قرآن الحکیم کے محکم ہونے پر شکوک پیدا کر رہے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جب قرآن الحکیم نازل ہو رہا تھا تو اس وقت کبھی ایک حکم نازل ہوتا اور بعد میں ایک اور آیت نازل ہوتی جو پہلے حکم کو بدل دیتی تھی۔ جس آیت کے ذریعہ ایسا ہوتا اسے ناسخ کہتے ہیں اور جس آیت کے حکم میں تبدیلی آتی اسے منسوخ کا نام دیا گیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الاتقان'' بمطابق اردو ترجمہ ادارہ اسلامیات لاہور جلد دوم صفحہ ۵۶ پر لکھا ہے کہ ایسی اکتیس آیتیں ہیں جن کو منسوخ مانا گیا ہے۔ بعض نے اس سے زیادہ اور بعض نے اس سے بھی کچھ کم کہا ہے۔ مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مطابق ایسی آیات صرف چھ ہیں۔ غرضیکہ یہ ایک فنی مسئلہ ہے جسے موضوع بنا کر کتاب اللہ کے بارے میں شک پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، حالانکہ قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اس کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہوتی''۔ بلکہ قرآن حکیم کا اعجاز ہی یہ بتایا گیا ہے کہ ''لاریب فیھا۔ اس میں کوئی شک نہیں'' دنیا کی ہر کتاب کے نفس مضمون میں کئی اختلافات یا تضادات نظر آئیں گے لیکن یہ دعویٰ صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ہے کہ یہ ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ ارشاد ربانی ہے، ''اگر یہ کتاب کسی غیر اللہ سے ہوتی تو اس میں بڑا اختلاف یا تضاد ہو، (لیکن الحمد اللہ یہ ہر قسم کے اختلاف سے پاک ہے)''

اس پس منظر میں ناسخ اور منسوخ کا مسئلہ بالکل بے بنیاد اور غلط ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ مرچ مصالحہ لگا کر اس موضوع پر جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ (۹۱۱-۸۴۹ ہجری) تک کئی کتابیں تصنیف کی جا چکی تھیں۔ آج کل انہی کو بنیاد بنا کر قرآن حکیم کے مخالف اس بے

بنیاد بات کوہوا دے رہے ہیں کہ "قرآن حکیم کا کافی حصہ منسوخ ہوگیا تھالہٰذا یہ قابل اعتبار نہیں (نعوذ باللہ) اور چونکہ قرآن پاک وقتی مصلحتوں کے مطابق بدلتا رہا لہٰذا اس کی تخلیق میں انسانی ہاتھ ہے"۔ قرآن کریم کے ان دشمنوں سے ہمیں نیکی کی توقع نہیں کرنا چاہیے اور ایسے لوگ ہر زمانہ میں اسکے خلاف ہرزہ افشانی کرتے ہی رہے ہیں لیکن جب اس قسم کی باتوں کو اسلامی روایات کے حوالہ سے پیش کیا جاتا ہے تو بات خطرناک صورت حال اختیار کر جاتی ہے۔ اس لئے فی زمانہ اس مسئلہ کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے تاکہ اہل علم، علمی موشگافیوں میں پڑنے کی بجائے مسلمانوں کو منافقین کے گمراہ کن پراپیگنڈا سے بچائیں۔

سازشیں اور من گھڑت روایات

حقیقت یہ ہے کہ منافقین نے علمی "موشگافیوں" کے ذریعہ ہی سے اس مسئلہ کو جنم دیا جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ بعض منافق مصنفین ناسخ اور منسوخ کی تشریح اور تفسیر میں اس قدر دور نکل گئے کہ انہوں نے تو تیسرے حصہ سے زیادہ قرآن پاک کو منسوخ قرار دے دیا (نعوذ باللہ) اور عجیب عجیب روایات نے جنم لیا۔ مثلاً علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کسی ابوعبیدہ کا قول لکھتے ہیں، اس نے اسماعیل بن ابراہیم سے، ان سے ایوب نے، ان سے نافع اور ان سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "بے شک تم لوگوں میں سے کوئی شخص یہ بات کہے گا کہ میں نے تمام قرآن پاک حاصل کرلیا ہے، حالانکہ اسے یہ بات معلوم ہی نہیں کہ تمام قرآن کتنا تھا کیونکہ قرآن پاک میں سے بہت سا حصہ جاتا رہا ہے" یہی ابوعبیدہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یوں روایت کرتا ہے کہ ہم سے ابی مریم، ان سے ابی لہیقہ، ان سے ابی الاسود، ان سے عروہ رضی اللہ تعالیٰ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ "رسول اللہ ﷺ کے ایام میں سورہ الاحزاب دو سو آیتوں کی پڑھی جاتی تھی پھر جس وقت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصاحف لکھے، اس وقت اس سورۃ میں سے بجز موجودہ مقدار کے اور کچھ نہیں پایا۔" (نعوذ باللہ)

غرض اس طرح کی چند ایک من گھڑت ضعیف روایات کے پردہ میں منافقین نے علمی لبادہ

اوڑھ کر اور مسجدوں کی محرابوں میں بیٹھ کر، اسلام کے مقدس علمی ذخیرہ میں اپنی خباثت پھیلائی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نامکمل تحریف شدہ اور منسوخ ثابت کرنے کے لئے کسی نہ کسی صحابی کے نام کا سہارا لیا اور راویان کے سلسلہ سے اپنی بات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ کے ذمہ ڈال دی۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ ان کے مقابلہ میں بہت سی مصدقہ ثقہ اور متفق علیہا احادیث جو قرآن کریم کی صحت کی زوردار دلالت کرتی ہیں ان پر توجہ نہ کی گئی۔ اس سلسلہ میں خود قرآن حکیم کی اپنے بارے میں جو شہادت ہے اسے بھی خاطر میں نہ لایا گیا۔ چونکہ وہ زمانہ آج کا دور نہیں تھا کہ جو لکھا کل کسی نقاد نے پکڑلیا۔ بلکہ مسودے لائبریریوں میں پڑے رہتے تھے۔ پھر جب اسلام پر گرداب کا دور آیا تو علمائے مقلدین نے ہر لکھی ہوئی چیز کو مقدس سمجھ کر گلے سے لگالیا اور اگر کسی نے ہمت کر کے کہا کہ یہ تو قرآن پاک اور متفق علیہا حادیث کے خلاف کھلی بات ہے، تو روایت کے آخر میں صحابی کے نام سے ڈرا کر اعتراض کرنے والے کو چپ کرادیا۔

افسوس کہ ایسی فضول روایات بنانے والے اور اپنانے والے بھول گئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ اور تو اور خود نبی پاک ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اگر وہ بھی اس میں کوئی ردوبدل کرتے تو قابل مواخذہ ہوتے۔ یہ طرز بیان حضور پاک ﷺ کی شان میں کمی کرنے کے لئے نہیں، بلکہ ایک اعلان ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ بھی قرآن پاک میں ایک حرف تبدیل نہیں کر سکتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی شان ہے اور حضور پاک ﷺ کے وحی کے حامل ہونے کا ثبوت بھی بقول قرآن اور احادیث نبی پاک ﷺ، قرآن حکیم کی حفاظت اور اس کے خالص پن کے لئے یہاں تک انتظامات کئے گئے کہ نبی پاک ﷺ کے بعثت سے پہلے ہی تمام طرح کے جنات اور شیاطین کا داخلہ آسمانوں میں بند کر دیا گیا۔

حکم باری تعالیٰ ہے۔ ''ہم نے اس مقدس کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم (یعنی مالک کون و مکاں رب کائنات) اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' سوچیے جب اس شان والا بادشاہ قرآن پاک کا محافظ ہو تو ایسی کتاب میں کوئی ردوبدل یا نسخ ہونا کیسے ممکن ہے۔ چنانچہ قرآن کریم

اس بات کا بلاشک وشبہ خود ضامن اور گواہ ہے کہ موجودہ قرآن کریم وہی ہے، جو لوح محفوظ سے لیلتہ القدر کو اتارا گیا اور پھر منشائے الٰہی کے مطابق متواتر ۲۳ سال نبی پاک ﷺ پر نازل ہوتا رہا اور آپ عالی جناب ﷺ کی ترتیب نزول کے مطابق نہیں، بلکہ لوح محفوظ والی ترتیب ہے۔ اسی کے مطابق آپ ﷺ کے قلب پاک پر قرآن ثبت ہوا اور اسی کے مطابق آپ ﷺ کاتبین وحی کے ذریعہ لکھواتے۔ اسی کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی حافظ اول ﷺ سے سیکھ کر قرآن پاک کی آیات مبارکہ کو حفظ کر لیتے اور یادداشت کی مدد کے لئے لکھ بھی لیتے۔

آیات کی غلط تاویل

ناسخ اور منسوخ کی مدعیان نے جس آیت مبارک کو موضوع بنا کر اس مسئلہ کو اچھالا وہ مندرجہ ذیل ہے۔

مانَنسخ من ایته اوننسها نات بخیر منها اومثلها ط الم تعلم ان الله علی کل شیء قدیر(۱۰۶)۲

دراصل اس آیت مبارکہ میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کسی آیت کو جب نسخ کرتا ہے یا بھلا دیتا ہے تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور آیت لے آتا ہے۔ سیاق وسباق دیکھیں تو یہ آیت کائنات کی تخلیق کے متعلق آیات کا حصہ ہے۔ یعنی یہاں قرآنی آیات کے منسوخ کا ذکر نہیں بلکہ کائناتی آیات کا ذکر ہے اگر اس سیاق وسباق میں لفظ آیت کو اپنے وسیع تر معنوں میں لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مندرجہ بالا آیت قرآن حکیم کی معجزانہ آفاقی آیت ہے جسے پڑھ کر ایک سائنس دان کی روح وجد میں آجاتی ہے۔ وہ ساری کائنات کو اس کی تفسیر کے طور پر دیکھتا ہے ایک ایک ذرہ سے لے کر اربوں کھربوں ستاروں پر مشتمل ان گنت کہکشاؤں میں آنے والی تبدیلیاں اس آیت مبارکہ کا روزمرہ زندہ ثبوت ہیں۔ کائنات میں ہر آن تنسیخ اور تخلیق کا مسلسل عمل جاری ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے ایک ستارہ تباہ ہوتا ہے تو اس کے ملبہ سے کئی دوسرے ستارے وجود میں آجاتے ہیں۔ ایک دنیا ختم ہوتی ہے تو اس کی جگہ کوئی اور دنیا لے لیتی ہے (تفصیلات کیلئے میری کتاب ''حیات بعد الموت'' کا مطالعہ فرمائیں)۔ اس دنیا میں بھی ایک

آدمی جاتا ہےتو فوری دوسرا اس کی جگہ کو پُر کردیتا ہے۔

غرض کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی آیات کا حصہ ہے اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور خالق حقیقی اپنی حکمت عالیہ کے مطابق صفحۂ ہستی پر نئے سے نئے اور خوبصورت سے خوبصورت پھول بھرتا رہتا ہے۔ایک نشانی جاتی ہےتو اس کی جگہ دوسری نشانی لے لیتی ہے۔اس فرمان الٰہی سے ظاہر ہے کہ کائنات میں ناسخ اور منسوخ کا عمل خیر کی طرف اقدام ہیں۔یعنی کائنات میں ارتقاء بہتری کی طرف ہورہا ہےاور نسخ والی آیات ایک آفاقی حقیقت کی طرف سائنسی اشارہ ہے جو کہ موجودہ صدی کے سائنس دانوں کے لئے ایک اہم موضوع تحقیق ہے۔مثلاً معلوم ہوا ہے کہ ابتداء میں ستاروں کی دنیائیں سادہ تھیں۔پھر جب ایک ستارہ اپنی اجل سے مرتا ہےتو اس کے پھٹنے کے عمل میں اعلیٰ تر عناصر جنم لیتے ہیں جس سے اعلیٰ تر دنیاؤں کی تشکیل ہوتی ہے۔ہمارا اپنا شمسی نظام بھی لاکھوں ستاروں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔یعنی ان کے نسخ سے معرض وجود میں آیا ہےاور ایسی ہی قربانیوں سے کائنات میں ہر دم لاکھوں نئے جہاں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔لہٰذا کسی آیت مبارکہ کی جگہ بہتر آیات کا وارد ہونا ایک کائناتی عمل ہے جس میں بڑے عظیم اشارے اور انکشافات ہیں۔سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ربانی ہے۔**وکل یوم ھو فی شان**''اور اللہ تعالیٰ ہر روز ایک شان سے جلوہ گر ہوتا ہے''

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

اب حق تو یہ تھا کہ نسخ اور منسوخ والی آیات سے ہمارے مفسرین کائنات میں اللہ تعالیٰ کی شان کو دیکھتے لیکن دشمنوں کی پھیلائی ہوئی روایات کے چکر میں آکر ان میں سے کچھ سادہ لوحوں نے الٹا اللہ تعالیٰ کے کلام کو ناقص بنا دیا نعوذ باللہ، ذات باری تعالیٰ کو متلون مزاج بنا کر پیش کیا۔

پرانے مذاہب کا نسخ

اگر صرف مذہبی نکتہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو کلام اللہ پہلے تمام نبیوں اور رسولوں کی تعلیمات کو منسوخ کرتا ہے کہ وہ صاحبان محدود وقت کے لئے محدود علاقوں میں تشریف لائے تھے اور ہدایت کی تعلیم دیتے رہے لیکن خاتم النبیین سرور کائنات اور اشرف الانبیا ﷺ کی بعثت

کے بعد نہ کسی پرانی شریعت کا جواز ہے اور نہ ضرورت ۔لہٰذا اسلام تمام پرانے مذاہب کو منسوخ کرتا ہے ۔ان الدین عنداللہ الاسلام ۔آیات نسخ کے سیاق وسباق میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مدینۃ المنورہ کے یہودیوں کا اعتراض یہ تھا کہ جبکہ بیت المقدس تمام نبیوں کا مرکز صلوٰۃ تھا،اس کو چھوڑ کر بنائے ابراہیمی کو کیوں کعبہ بنایا گیا ہے؟یا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی حلال وحرام والی شریعت کو کیوں بدلہ جارہا ہے؟ناسخ آیت مبارکہ میں ان کے اعتراضات کا جواب ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی جس آیت کو چاہے منسوخ کرسکتا ہے۔بلکہ لوگوں کے ذہنوں تک سے بھلا دیتا ہے ۔جیسے اس نے لاکھوں دیگر پیغمبروں کی شریعت تو کجا ان کے ناموں تک کو انسانی یادداشت سے خارج کردیا ہے۔

تاویلات کی مثالیں اور اصل حقیقت

اس سلسلہ میں افسوس ناک بات یہ ہے کہ غلط فہمی کی بناپر بعض اوقات مخلص مسلمان بھی اس شدید اجتہادی غلطی کا شکار ہوئے اور انہوں نے اس غلط سوچ کو اپنالیا کہ قرآن حکیم کی ایک آیت دوسری آیت کو منسوخ کرتی ہے۔حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایک آیت دوسری آیت کو مضبوط کرتی ہے۔یہ سب تو ایک مضبوط اور بلند وبالا عمارت کی مانند ہے جس میں بنیادیں بھی ہیں اور اس کے اوپر دیواریں اور چھت بھی ہے۔کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دیواروں نے بنیادوں کو منسوخ کردیا ہے یا چھت نے دیواروں کو؟مثال کے طور پر قرآن حکیم میں شراب کی ممانعت کا حکم بتدریج آیا۔ابتداء میں حکم ہوا"شراب میں فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی لیکن نقصان زیادہ ہے"۔بعد میں کلی حرمت والی آیت نازل ہوئی کہ"شراب کے قریب بھی نہ جانا یہ عمل شیطان ہے"۔اب ناسخ اور منسوخ کے مدعیان کہتے ہیں کہ دوسری آیت مبارکہ نے پہلی آیت مبارکہ کو منسوخ کردیا۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پہلی آیت ایک حکیمانہ سائنسی حقیقت ہے جو اپنی جگہ ہمیشہ ہی ٹھیک اور اٹل ہے اور دوسری آیت مبارکہ ایک حکم ہے۔جس کے تحت اس ام الخبائث کو ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح کہا گیا ہے کہ سورۃ مزمل کی ابتدائی آیات کو سورۃ مزمل ہی کی آخری آیات نے

منسوخ کردیا۔ اس قول میں بھی نا سمجھی کا فساد ہے ورنہ پہلی آیات ریاضت اور عبادت کا اعلیٰ ترین معیار مقرر کرتی ہیں اور سورۃ کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے۔ وہ رب رحیم کی طرف سے ایک رعایت ہے کہ آسانی سے جس قدر ممکن ہو اتنا جاگ لیا کرو۔ تا کہ ہم جیسے کمزور تن انسان بھی راتوں کے اترنے والے انوار سے فائدہ مند ہو سکیں۔

اسی طرح کہا گیا کہ زکوٰۃ کے حکم نے صدقات والی آیات کو منسوخ کر دیا ہے حالانکہ زکوٰۃ تو سال میں ایک دفعہ اپنے مال سے لازمی کٹوتی ہے۔ جس کے مصارف مخصوص ہیں اور صدقات ہر وقت مال کا اللہ کی راہ میں مصرف ہے اور اس کے خرچ پر کوئی قید نہیں۔

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو راتوں کو میاں بیوی کا مباشرت کرنا منع تھا لیکن بعد میں آیت میں اجازت مل گئی۔ جس سے یہ ممانعت منسوخ ہو گئی۔ حالانکہ یہ ایک رعایت ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں لیکن تقویٰ کا اعلیٰ ترین معیار اول آیت مبارکہ ہی ہے کہ رمضان کی راتیں عبارت میں گذاری جائیں اور میاں بیوی باہمی جنسی تعلقات سے پرہیز کریں۔

یہ بھی کہا گیا کہ مسلمانوں کے غلبہ کی آیت مبارکہ کہ "تم میں بیس صبر والے ہوں گے تو دوسو پر غلبہ حاصل کریں گے"۔ بعد میں اترنے والی آیت کی جب تم "سو ہو گے تو دوسو پر غلبہ حاصل کرو گے" نے منسوخ کردی۔ حالانکہ یہ تو چھوٹی اور بڑی جماعت میں تقویٰ کے معیار کی بات ہے۔ اگر تقویٰ کا معیار وہ ہوگا جو ان مسلمانوں میں تھا تو یقیناً بیس، دوسو پر حاوی ہوں گے لیکن چونکہ بڑی جماعت میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ ۱۰۰ ہوں گے تو ۲۰۰ پر غالب آؤ گے یعنی دونوں آیات مبارکہ ایک دوسرے کی تشریح ہیں نہ کہ ناسخ۔

یہ بھی کہا جاتا ہے پہلے حکم ہوا کہ "رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضری سے پہلے یا بات کرنے سے پہلے کوئی صدقہ دے دیا کرو،، اور پھر حکم ہوا "چونکہ تمہارے لئے یہ مشکل ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ تمہیں رعایت دیتا ہے" اس طرح دوسری آیت نے صدقہ والی آیت کو منسوخ کر دیا۔ حالانکہ یہاں بھی ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے مقام رسول اللہ ﷺ کو واضح کیا اور دوسری

طرف بندوں کو تعلیم دی کہ حضور پاک ﷺ کے پاس حاضر ہونے کا پسندیدہ ترین طریقہ کیا ہے۔اس کے بعد انسانوں کی کمزوریوں کے مدنظر رعایت عطا فرمادی تا کہ وہ گنہگار نہ ہوں۔ چنانچہ آج بھی دربار عالی وقار ﷺ میں پسندیدہ ترین یہی طریقہ ہوگا کہ غلامان مصطفیٰ ﷺ حاضری سے پہلے کچھ صدقہ کریں،البتہ اگر وہ نہ کرسکیں تو کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

اسی طرح کہا گیا ہے کہ جب مدینہ منورہ میں جہاد وقتال کی اجازت مرحمت ہوئی تو اس نے ''ہاتھوں کو نہ اٹھانے کے متعلق'' مکہ والی پہلی وحی کو منسوخ کردیا۔حالانکہ یہ ایک بہت بڑی سیاسی اور جنگی حکمت عملی (Strategy) کی بات ہے۔آج بھی اگر حالات مکہ مکرمہ والے ہوں تو ہاتھوں کو باندھ کر رکھنا ہی بہتر ہوگا لیکن جب مناسب طاقت کا حصول ہوجائے تو اپنی عقل اور حکمت کے مطابق دشمنوں کے خلاف جہاد بالسیف کیا جاسکتا ہے۔لہٰذا ان میں سے کوئی بھی آیت مبارکہ منسوخ نہیں بلکہ ہر زمانہ میں ہر قسم کے حالات کے مطابق جہاد بالصبر سے جہاد بالسیف تک کی جدوجہد کے تمام مراحل کے لئے رہنمائی کرتی ہیں۔

پھر کسی نے کہا فتح مکہ کے وقت جب حرم مکہ میں قتال کی خصوصی اجازت ملی تو اس نے ممانعت والی تمام آیات کو منسوخ کردیا۔یہ کس قدر بڑی کج فہمی ہے۔یہ اجازت حضور اکرم ﷺ کا اعزاز بھی اور خدانخواستہ اگر کبھی بھی غیر مسلم یا منافقین خانہ کعبہ پر قابض ہوجاتے ہیں تو ان کے غلیظ ہاتھوں سے حرم مقدس کو آزاد کرنے کے لئے مسلمانوں کے پاس ایک استثنا موجود ہے کہ وہ ایسے حالات میں خانہ کعبہ کو قتال کے ذریعے بھی آزاد کرا سکتے ہیں۔

ان تمام مثالوں کے بیان کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ بے سمجھی سے ناسخ اور منسوخ کا مسئلہ اٹھانا،قرآن حکیم کی عظمت کے خلاف ایک سازش ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہر لحاظ سے مکمل ہے۔اس کی تمام آیات ایک دوسرے کی تشریح اور تفسیر ہیں۔کوئی آیت مبارکہ کسی دوسری آیت مبارکہ کا نسخ نہیں۔بلکہ قابل قبول معیار کی حدود متعین کرتی ہے جو لوگ ناسخ اور منسوخ کے چکر میں پڑے وہ صرف کج فہمی کا شکار تھے اور بعض ان میں منافق تھے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شک وشبہ پیدا کرنا چاہتے تھے۔ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام میں ہرگز کوئی کجی یا کمی بیشی نہیں۔اس کی

ہر آیت مبارکہ اپنی جگہ مستقل آیت ہے ہاں البتہ اپنے بندوں کی کمزوریوں کے مدنظر ہمارے روف الرحیم رب نے اپنی طرف سے ہمیں کچھ رعائتیں دی ہیں لیکن ان رعائتوں سے تقوے کے اعلیٰ معیار میں کبھی کمی نہیں ہوسکتی۔

لہٰذا قرآن حکیم میں ایک ہی مضمون پر دو یا دو سے زیادہ آیات اگر آئی ہیں تو یہ نسخ یا منسوخ نہیں بلکہ دراصل اس مضمون کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی ہے۔جیسے اوپر کہا گیا ہے ایسی آیات مبارکہ دراصل تقویٰ کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور کم سے کم معیار کی حدود کا تعین کرتی ہیں۔

اس بات کی حکمت کا اندازہ آپ یہاں سے لگالیں کہ انجینئرنگ کا سارا نظام برداشت کی حدود Tolerance Limits کے تعین پر منحصر ہے۔جب آپ کہتے ہیں کسی چیز کی لمبائی اتنی ہوگی تو ضروری ہوتا ہے کہ اسکے ساتھ ہی زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم برداشت کی حدود بھی متعین کی جائیں اسلئے کہ بالکل صحیح پیمائش (Exact Measurement) کی چیز بنانا ناممکن ہے۔کوئی چیز حدود کے اندر ہی بن سکتی ہے۔

زیادہ سے زیادہ برداشت کا معیار

قابل قبول معیار

کم سے کم برداشت کا معیار

اب بھی اگر جان بوجھ کر کوئی ایسی آیات کو ناسخ اور منسوخ کے من گھڑت معنی پہناتا ہے تو وہ کلام اللہ کی تکذیب کا مجرم ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں تقویٰ کے اعلیٰ معیار کی توفیق دے اور اپنی کتاب پر بہتر سے بہتر طریقہ سے عمل کرنے کی توفیق دے۔آمین۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تحریر ! جواد رضا

محسن انسانیت رحمت عالم خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ نفوسِ قدسی ہیں۔ کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد چشم فلک نے ان سے بہتر و برتر کوئی مخلوق نہیں دیکھی۔صبر و اِستقامت، شجاعت و شہامت، جانبازی و سرفروشی، فقر و عفاف، زہد و اتقاء، استغناء وقناعت، دیانت و امانت، صدق و عدالت، ایثار و محبت، انکسار و تواضع، حلم و عمل، علم و عمل، ایمان و اخلاص اور تفقہ فی الدین۔غرض اخلاق کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا۔جو ان میں پوری شان کے ساتھ موجود نہ ہو۔قرآن پاک نے اِن مقدس ہستیوں کے اوصاف جابجا بیان کئے ہیں۔اور ان کو کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔انہی مقدس ہستیوں میں ایک نام حضرت ابوہریرہؓ کا ہے۔

شانِ ابوھریرہؓ

حافظ الحدیث سیدنا ابوھریرہؓ رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے معروف اور جلیل القدر صحابی ہیں۔آپؓ اِن چند گنے چنے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔جن کے نام سے اسلام کی سیرت وعظمت اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کا پیغام عام کرہ ارضی میں اپنی پوری تابانی سے قائم و دائم ہے۔

نام نامی۔اِسم گرامی

زمانہ جہالیت میں حضرت ابوہریرہؓ کا نام عبدالشمس تھا۔مگر قبولیت اسلام کے بعد آپؓ کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا تھا۔آپ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے۔یہ قبیلہ یمن کو اپنا وطن بنائے ہوئے تھا۔اِس لئے محدثینؒ آپؓ کو الدوسی الیمانی لکھتے ہیں۔

حضرت ابوھریرہؓ کی کنیت

حضرت ابوھریرہؓ کا نام عبدالرحمٰن خود حضور ﷺ نے رکھا تھا۔تاہم آپؓ اپنی کنیت ابوھریرہؓ سے معروف ہوئے۔آپؓ اپنی کنیت کا سبب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی آستین میں بلی کا بچہ لئے ہوئے تھا کہ آنحضرت ﷺ کی نظر مبارک پڑ گئی۔آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔میں نے عرض کیا حضور ﷺ یہ بلی ہے۔آپؐ نے فرمایا **یا اباھریرۃ** (اے بلی والے)

حضرت ابوھریرہؓ کا حلیہ مبارک

حضرت ابوھریرہؓ کا رنگ گندمی تھا۔اور آپ کے کندے کشادہ تھے۔

آپؓ کے دانت چمکدار اور آگے کے دو دانتوں کے درمیان ذرا سا خلا تھا۔ آپؓ کے سر پر زلفیں تھیں۔ یہ دو حصوں میں تقسیم ہوکر دونوں مونڈھوں پر پڑی رہتی تھیں۔ جنہیں آپؓ سرخ رنگ کا خضاب لگاتے تھے۔ آپؓ کی طبیعت میں مزاح کا عنصر پایا جاتا تھا۔ آپ کا لباس عموماً سادہ ہوا کرتا تھا اور خوش حالی کے دور آپؓ کا لباس سادہ مگر نفیس ہوتا تھا۔ سر پر آپؓ سیاہ رنگ کا عمامہ پہنا کرتے تھے۔

قبول اسلام سے پہلے

حضرت ابوھریرہؓ اسلام لانے سے پہلے کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ میں یتیمی کی حالت میں پروان چڑھا اور جوان ہوا۔ مسکینی کی حالت میں ہجرت کی۔ غزوان کی بیٹی کی نوکری کیا کرتا تھا۔ اس کے گھر سے پیٹ بھر کر روٹی کھانے کو مل جاتی اور وہ جب سوار ہوکر جائیں تو ان کے پیچھے چل کر ان کے اونٹوں کو چلانے کیلئے کوئی گیت گاتا اور جب کہیں پڑاؤ ڈالیں تو کھانا پکانے کیلئے لکڑیاں چُن چُن کر لاتا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ بچپن میں ہی باپ کا سایہ سر سے اُٹھنے کیوجہ سے آپؓ نے انتہائی کسمپرسی میں وقت گزارا اور اسی کی وجہ سے آپ نے وطن یمن چھوڑا۔

دربارِ رسالتﷺ میں حاضری کا شرف

حضرت قیسؓ حضرت ابوھریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جب میں آنحضرتﷺ کی خدمت بابرکت میں بیعت اسلام کی غرض سے حاضر ہو رہا تھا تو راستے میں یہ پڑھتے ہوئے آ رہا تھا۔

یا لیلة من طولها و عناو عنائها

علی انها من دارة الکفر نجت

ترجمہ! ہائے رات کی طوالت اور مشقت کتنی بری ہے تاہم (شکر ہے) اس نے مجھے دارالکفر سے چھٹکارا دلایا۔

آپؓ فرماتے ہیں کہ راستے میں میرا غلام بھاگ گیا تھا۔ جب میں حضورﷺ کی خدمت میں آیا اور اسلام قبول کر چکا تو اچانک میں نے دیکھا کہ میرا بھاگا ہوا غلام سامنے آ گیا۔ آپؐ نے فرمایا تمہارا غلام موجود ہے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ اللہ کیلئے آزاد ہے اور یہ کہ میں نے اسے اپنی غلامی سے نجات دے دی۔

حضرت ابوھریرہؓ کا قبول اسلام

جمہور علماء سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت ابوھریرہؓ ہجرت نبویﷺ سے پہلے اپنے وطن میں حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب حضرت طفیلؓ مسلمان ہو کر مکہ سے واپس آئے اور دعوت توحید کا آغاز کیا تو پہلی دفعہ ان کے اہل خانہ کے علاوہ قبیلہ دوس کے صرف ایک اور آدمی نے اسلام قبول کیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے وضاحت کے ساتھ حضرت ابوھریرہؓ کا نام لیا ہے۔ پھر غزوہ خیبر کے موقع پر آپؓ آنحضرتﷺ کی خدمت اقدس سے ایسے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔

اہل صفہ ہونے کا شرف

حضرت ابوھریرہؓ کا شمار اہل صفہ میں ہوتا ہے۔ یہ صفہ کیا ہے۔ صفہ عربی زبان میں سائبان کو کہتے ہیں۔ صفہ اِس مکتب کو کہتے ہیں جس کے بانی آنحضرتﷺ ہیں۔ اہل صفہ دن بھر مسجد نبویﷺ میں تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے اور رات کو قریبی کھلے چبوترے پر سوئے رہتے تھے۔ اہل صفہ کے بارے میں تین نام مشہور تھے۔ پہلا نام اصیاف الاسلام تھا۔ یعنی اسلام کے مہمان، دوسرا نام اصیاف اللہ تھا۔ یعنی اللہ کے مہمان، تیسرا نام قراء تھا یعنی قرآن پڑھنے والے۔ ان کی تعداد مقرر نہ تھی اور اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ یہ حضرات اہل وعیال اور غم روزگار کی فکر سے آزاد ہو کر حضورﷺ سے دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اِن کے دن رات کا مشغلہ عبادات و اطاعت۔ ذکر الٰہی اور مجاہدہ نفس تعلیم و تعلم تلاوت قرآن اور حفظ حدیث رسولﷺ تھا۔ یہ اہل صفہ جو کچھ حضورﷺ سے سنتے اپنے ساتھیوں کو بتلاتے تھے۔ آنحضرتﷺ ان کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کیلئے بھیجا کرتے تھے۔ غزوہ معونہ میں انہی میں سے ستر آدمی اسلام کی تعلیم دینے کیلئے بھیجتے تھے۔ آنحضرتﷺ اِن کی دینی خدمات سے بہت خوش تھے اور ان کیلئے دُعا فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ آنحضرتﷺ سے حضرت فاطمہ الزھراءؓ نے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں۔ مجھے ایک کنیز عنایت فرمائیں۔ آپﷺ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو کنیزوں دوں اور اصحاب صفہ بھوکے رہیں۔ حضرت ابوھریرہؓ اِنہی باکمال بزرگوں میں سے تھے اور اسی لاجواب جماعت کے ایک ممتاز رُکن تھے۔ بلکہ ان کو اصحاب صفہ میں ایک امتیازی شان ملی ہوئی تھی۔ حضورﷺ حضرت ابوھریرہؓ کے ذریعے ہی اصحاب صفہ کو کھانا تقسیم کرتے تھے۔ آپ ہی حضورﷺ کے ساتھ سفر و حضر میں رہا کرتے۔

حضرت ابوھریرہؓ کے والدین

سیدنا ابوھریرہؓ کے والد ماجد کا نام جمہور علماء کے نزدیک عامر بن عبد ذی الشری تھا۔ آپ کے والد آپؓ کے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام اُمیمہ یا میمونہ بنت صبیح تھا۔ لیکن عام طور پر اُمِ ابی ھریرہؓ کے نام سے مشہور تھیں۔ عالم شباب میں ہی شوہر کے اِنتقال کے بعد اپنے بیٹے کی بہت مشکل حالات میں پرورش کی۔ آپؓ کی والدہ نے اسلام قبول نہیں کیا تا وقتیکہ حضور ﷺ نے حضرت ابوھریرہؓ کی درخواست پر دُعا نہ کی۔ دُعا قبولیت کو پہنچی اور آپؓ کی والدہ مشرف با اسلام ہوئیں۔

حضرت ابوھریرہؓ کے اہل وعیال

حضرت ابوھریرہؓ نے عہد رسالت کے بعد صرف ایک شادی کی تھی۔
وہ غزوان کی بیٹی تھی۔ جس کے آپ غلام رہ چکے تھے۔ بیوی کا نام بُسرہ بنت غزوان تھا۔ جو مشہور صحابی عتبہ بن غزوان کی بہن تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو چار بچے عطا کیے تھے۔ تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ بیٹوں کے نام محرر، عبدالرحمٰن اور بلال تھے۔ بیٹی کا نام کسی روایت میں نہیں ملتا۔ روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بیٹی کی شادی مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیّبؒ سے ہوئی تھی۔

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی احادیث

آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ جن صحابہؓ سے کثرت سے مروی ہیں۔ حضرت ابوھریرہؓ ان میں سے ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ آپ ﷺ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (5374) احادیث مروی ہیں۔ حدیث کی ہر قابل اعتماد کتاب میں ان کی کچھ نہ کچھ مرویات ضرور ملتی ہیں۔
صحیح بخاری اور مسلم شریف میں مروی روایات 609 ہیں سنن اربعہ (ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور موطا امام مالک میں مجموعی طور پر 1609 مرویات ملتی ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل میں 3848 مرویات ملتی ہیں۔

وفات

حضرت ابوھریرہؓ کی وفات 59 ہجری بمطابق 678 عیسوی میں ہوئی آپؓ کی عمر تقریباً اسی برس سے اُوپر تھی آپؓ کی نماز جنازہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے پڑھائی۔ آپؓ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

سفر نامہ کروشیا

تحریر! طارق محمود

اسبابِ سفر:۔

نومبر ۲۰۰۱ء میں Second Meeting of Coordinators کے سلسلے میں دفتری کشمکش کی دھول ابھی بیٹھی ہی تھی کہ ایک دن آصف صاحب کا فون آیا کہ تین ماہ کی فیلوشپ کروشیا میں Award ہوئی ہے۔ ماضی قریب میں کوئی Nomination چونکہ نہیں بھیجی گئی تھی اِس لے یقین نہ آیا۔ جب Award Latter پر اپنا نام دیکھا تو کچھ یاد آیا کہ یہ 1995ء میں بھیجی جانیوالی Nomination کا سلسلہ ہے۔ اِس سلسلے کو تو میں بالکل فراموش کر چکا تھا کیونکہ اگر اس کی ذرا سی بھی توقع ہوتی تو اس دوران Viema کے دو Visit ہونے کے باوجود اس بارے میں معلومات تک لینے کا خیال بھی ذہن میں نہ آیا تھا۔ بہر کیف سخت سردی کا موسم گزار کر جانا زیادہ مناسب تھا۔ پاسپورٹ بھی Expire ہو چکا تھا۔ اِدھر اُدھر سے سن کر اُردن، دبئی، آسٹریا اور سعودی عرب کی Endorsement کے ساتھ ایکسٹینشن لے لی گئی، جس میں بعد ازاں Neither land اور Germany بھی شامل کروائے۔ بدقسمتی سے Hungary کی Endorsement نہ لی جا سکی جس کی وجہ سے ڈاکٹر گیبر پور کے مطابق اِسکی میزبانی کا "اِنتقام" نہ لیا جا سکا جو کہ اِسکے پاکستان میں قیام کے دوران اِسکو فراہم کی گئی تھی۔

22 مارچ کو ٹکٹ کے مراحل طے ہوئے اور 24 مارچ کو صبح 30-2 پر روانگی طے پائی۔ رات 12 بجے ایئر پورٹ پہنچ کر پتہ چلا کہ تمام روٹ کنفرم تھے لیکن اسلام آباد سے دوبئی کی سیٹیں ایئر لائن نے بکنگ میں کسی ٹیکنیکل بنیاد پر Cancel کر دی ہیں۔ یہ سن کر اشتیاق کو خاصی پریشانی ہوئی جبکہ میں نے اطمینان کی لہر سی محسوس کی۔ اصل میں کچھ معاملات طے ہونے کے قریب تھے اس لئے خواہش تھی کہ یہ کسی کنارے لگ ہی جائیں تو یکسوئی سے روانگی ہو۔ گرمیوں کے موسم کیلئے کچھ ضروری امور بھی انجام دینا تھے۔ سوموار کو آب پارہ میں ٹریول ایجنٹ سے اُس کے رویے اور اہلیت کی شکایت کی جس کی اُنہوں نے بھرپور معذرت کر کے ہمارا غصہ کافور کر دیا۔ سارا دن لگا کر شام کو نئے شیڈول کے تحت 27 مارچ کی سیٹیں کنفرم کروا دیں۔

اسلام آباد تا زیگرب

27/3 کو دو پہر ایک بجے اشتیاق حسین کے ساتھ ایئرپورٹ پہنچے۔ شام تین بجے کراچی کی فلائٹ تھی جس نے 5 بجے کراچی پہنچا دیا۔ بورڈنگ کارڈ لے کر دیکھا کہ 4 کمپیوٹر Internet Connection کے ساتھ بلا معاوضہ مہیا کئے گئے ہیں۔ وقت گذارنے کیلئے بہترین مشغلے کے ساتھ اِس سے کچھ ضروری رابطے بھی کئے۔

Course Condinator کو آمد کی اطلاع دی رات کو 10 بجے روانہ ہو کر دوبئی پہنچے جہاں سے متصل فلائٹ پر ایمسٹرڈیم اور پھر ویانا۔

ویانا پہنچ کر پتہ چلا کہ ہمارا سامان ابھی تک نہیں پہنچا۔ وہیں سے ایک ہوٹل بک کروا کر KLM والوں کو پتہ بتا کر ہوٹل پہنچ گئے جو Westbanhoff کے مشہور سٹیشن کے قریب ہی Mariahilfer Strame پر Sperrgasse میں تھا۔ آرام کر کے شام Vienna پر سہ بارہ نظر ڈالی۔ رات کو سامان بھی ایئرلائن والوں نے ہوٹل میں پہنچا دیا۔

اگلے روز ناشتہ کے بعد Croatia کی ایمبسی جا کر ویزا لگوا کر پھر Vienna کی سیر شروع کی۔ سب سے پہلے Prater کا معروف پارک دیکھا اور کافی دیر وہاں کے کھیل تماشے سے محظوظ ہوئے۔ دوپہر کھانا کھا کر مسلسل گھومتے رہے شام کو Dannupp کے کنارے چہل قدمی کی۔ رات کو بھی کچھ قابل دید اور کچھ نادیدنی مقامات کا چکر لگایا۔ نصف رات بیتنے پر واپسی ہوئی۔

صبح 9 بجے ایئرپورٹ پہنچے جہاں سے اس طرف کے سفر کا آخری مرحلہ شروع ہوا۔ چھوٹا سا فوکر جہاز M-18 سیٹیں اور ایک گھنٹے کا سفر۔

دوپہر ایک بجے زیگرب میں نزول ہوا۔ مسٹر Tomislave Bijs جو کہ مسٹر ٹام ہی کہلاتے ہیں۔ ایئرپورٹ پر موجود تھے ذاتی کار لئے، امیگریشن کے معاملات نمٹا کر۔ موبائل فون پر Appartment کے owner سے وقت طے کر کے جائے رہائش پر پہنچے۔ owner سے آدھے گھنٹے میں معاملات طے پائے۔ اِسکے بعد مسٹر ٹام نے ہمیں میکڈونلڈ تک پہنچا کر اجازت لے لی اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ شام سے پہلے پہلے دو دن کیلئے اشیائے ضرورت خرید لیں کیونکہ اگلے دو دن ایسٹر کی چھٹیاں ہیں اور کوئی دکان کھلی نہیں ملے گی۔

زیگرب پہنچتے ہی تین چھٹیاں آغاز تو اچھا ہے انجام خدا جانے۔ یہ وقت کافی تھا یہاں کی فضا سے مانوس ہونے کیلئے۔

ہمارا اپارٹمنٹ

مشہور شاہراہ Savska cesta پر Hotel Opera (سابقہ Hotal Intercontinental) کے بالمقابل 15 نمبر بلڈنگ کی تیسری منزل پر واقع یہ فلیٹ محل وقوع کے اعتبار سے خاصا بہتر پایا۔ شہر کا مرکز Trg Ban Jelacic یہاں سے چند منٹ کے فاصلے پر ہے۔

یہاں آنے سے پہلے میں نے مسٹر ٹام سے کہہ دیا تھا کہ فلیٹ دو کمروں کا ہونا چاہیے خواہ کرایہ کچھ زیادہ ہی کیوں نہ دینا پڑے کیونکہ اکٹھے رہنا بذات خود ایک مشکل امر ہے اور ایک کمرے میں رہنے کا تو تصور ہی اذیت ناک ہے۔ کرایہ 400 یورو طے ہوا۔ Faclites کا حساب الگ دینا ہوگا۔ یہاں آ کر furnished accomodation کا مفہوم سمجھ آیا کہ بستر کی چادروں اور تولئے سے لیکر باورچی خانے کیلئے چھریاں کانٹے تک مہیا کئے جاتے ہیں۔ ہمیں کوئی چیز روزمرہ کے استعمال کی نہیں لینا پڑی جو رہائش کے ضمن میں درکار ہو۔

حفظ مراتب کے تحت TV والا کمرہ مجھے ملا لیکن اسی دن یا اگلے دن میں نے اِس سے دستبرداری اختیار کر لی۔ کیونکہ زیادہ دیر تک Tv دیکھنا میرے بس کا روگ نہیں۔ اور اگر اشتیاق زیادہ دیر تک بیٹھتے تو تب بھی دل تنگ پڑتا۔ اِس لئے عافیت اِسی میں جانی کہ یہ گناہِ بے لذت کم ازکم اپنے حصے میں نہ آئے۔ بعد میں اس فیصلے پر کبھی ہلکا سا ملال بھی نہیں ہوا۔

Faculty سے اپارٹمنٹ کا فاصلہ پیدل تقریباً 5-10 منٹ کا ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ دوپہر کو 2 گھنٹے کھانے کا وقفہ کر کے۔ کھانے کے ساتھ اچھا خاصہ وقفہ استراحت بھی مل جاتا ہے۔ یوں بھی گاہے بگاہے چھٹی والے دن بھی رابطوں یا کم ازکم اخبار وغیرہ پڑھنے کیلئے جانا بھی مشکل نہیں لگتا۔

اسلامک سنٹر

ملا کی دوڑ مسجد تک کے مصداق۔ زیگرب میں آنے کے بعد اگلے روز ہی اتا پتہ پوچھ کر اسلامک سنٹر کا، ظہر کی نماز وہاں جا کر ادا کی۔ محل وقوع اس مرکز کا نہایت عمدہ ہے مسجد سے ملحقہ ایک ریسٹورنٹ، کتابوں وغیرہ کی ایک دکان اور کافی وسیع مدرسہ ہے۔ مسجد کے چار امام ہیں سب کے سب بے ریش شین قاف البتہ یہاں کے اماموں کا کافی درست ہے۔

نماز کے بعد ایک امام مولدین نامی سے تعارف کیا۔ ریسٹورنٹ کے بارے میں مشورہ لیا کہ

کیا چیز مناسب رہے گی۔ اس نے ایک ڈش کا مشورہ دیا جس کو ریسٹورنٹ والوں نے Combinasia کا نام دے رکھا ہے۔ یہ ایک نان نما روٹی یا ڈبل روٹی جس کو Lepinij کہتے ہیں، ایک سیخ کباب اور ایک چوکور کباب پر مشتمل ہوتا ہے۔ کھانا مناسب تھا۔ اصل اطمینان اس بات کا ہوا کہ اس نان نما روٹی سے تعارف ہو گیا اور وہ بھی بہت شروع میں کیونکہ ناشتے کے علاوہ ڈبل روٹی کا استعمال مجھے بے کیف کر دیتا۔

بعد میں جب بازار میں اس Lepinije کا پتہ کیا تو ملتی تو تقریباً ہر بیکری سے تھی لیکن وہ اِس طرح کی نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ ذائقے میں بند سے ملتی تھی۔ اگلے چند جمعہ کے موقع پر کوشش کی کہ اِس نان نما روٹی کا منبع معلوم ہو تو تازہ لے لی جایا کرے لیکن اہل ریسٹورنٹ کے ساتھ ہمیشہ زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم والا معاملہ پیش آیا۔ کچھ عرصے بعد میں نے چند الفاظ Croation کے سیکھ کر مدعا بیان کیا تو ایک بیرے نے ایک کارڈ لا کر دیا اور بتایا کہ یہ شخص ایک بیکری کا مالک ہے اور یہی سپلائی کرتا ہے کچھ دنوں بعد اِس کارڈ پر درج پتے پر رابطہ کیا۔ فون پر صرف سٹاپ کا نام پتہ سمجھ آ سکا۔ بیکری ڈھونڈ ہی لی وہاں یُلین سے ملاقات ہوئی جو اِس بیکری کا مالک ہے۔ اِس نے بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ یہاں کے دستور کے مطابق Coffee پیش کی۔ اور جب بات Lepnijic کی چھڑی تو اس نے بتایا کہ اِس کی بیکری میں تو یہ بنتی ہی نہیں۔ اِس بیرے نے غلط بتایا ہے اور اگلے جمعہ کو وہ خود آ کر معلومات لے گا۔ اِس کے بقول ایک البانیہ کا مسلمان ناصر نامی یہ روٹی بناتا ہے اگر ہمیں منظور ہو تو نمونے کیلئے اِس سے کچھ منگوالی جائیں، جو وہ اگلے جمعے کو اسلامک سنٹر میں لیتا آئے۔ ہم نے بھی صاد کیا۔

واپسی پر یُلین نے نہایت اصرار کر کی بیکری کی کافی اشیاء ہمیں ساتھ پیک کر دیں اور قیمت بھی وصول نہ کی۔ اِس سے اگلے جمعہ کو وہ اور ناصر نماز کے بعد ملے، ناصر آٹھ عدد روٹیاں لے کر آیا تھا۔ جن میں سے دو ریسٹورنٹ والوں کو نمونہ کے طور پر دے دیں باقی ہمیں۔ یہاں بھی قیمت لینے سے انکار۔ روٹیاں البتہ بہت بہتر تھیں اور ریسٹورنٹ والوں نے بہت کم قیمت۔ پر اطمینان ہوا کہ آخر ہم نے ٹھکانہ ڈھونڈ ہی لیا اِس روٹی کا۔

ایک بات اور بھی محسوس کی کہ مقامی لوگوں کی نسبت جن چند ایک فلسطینیوں سے تعارف ہوا وہ بہت گرم جوشی سے ملتے ہیں۔ ایک اور صاحب ہیں مصطفےٰ نامی۔ وہ بھی بہت اچھی طرح ملتے ہیں۔ ہمیں حلال گوشت کا ٹھکانہ معلوم کرنا تھا۔ اِن سے پوچھا تو کافی تگ و دو کر کے معلوم کر کے ہی دم لیا۔ اِس قصاب کے ذریعے ایک اور قسم کی روٹی سے تعارف ہوا جس کو لبنانی روٹی کہتے ہیں۔

زیگرب میں قوالی

یہاں پہنچنے کے اگلے دن ہی جب اسلامک سنٹر گئے تھے تو ایک اشتہار نوٹس بورڈ پر نظر آیا جو ایک قوالی کے پروگرام کے سلسلے میں تھا۔ پاکستان سے "رضوان، معظم قوال اور ہمنوا" نام اِن کا پہلی بار سنا۔ یہ اپنے آپ کو نصرت فتح علی خان کے بھتیجے کے طور پر متعارف کرواتے ہیں۔ ویسے مجاہد مبارک علی خان کے بیٹے ہیں جو نصرت کے ساتھ پارٹی میں شامل رہا ہے۔

8 مئی 2002ء کا دن طے تھا۔ اِس پروگرام کیلئے ٹکٹ 120,100 اور 140 کونا کے تھے۔ شہر میں پوسٹر وغیرہ لگ چکے تو پتہ چلا کہ پروگرام 18 مئی تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔ وجہ قوالوں کیلئے ویزے کا حصول بتائی گئی۔ بعد ازاں یہ پروگرام غیر معینہ مدت کیلئے ملتوی کرنا پڑا۔ کیونکہ Salvania والوں نے ویزہ دینے سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔

ذکر شروع ہوا تھا اسلامک سنٹر سے۔ بات چل نکلی معاملاتِ شکم اور شوق سماع کی طرف۔ خیر یہاں کے قیام میں جمعہ کی نماز اکثر اسلامک سنٹر میں پڑھی جاتی رہی اور اور نماز کے بعد ریسٹورنٹ میں کھانا بھی معمول میں شامل رہا اگرچہ بڑے گوشت کے کباب، الرجی کو تقویت دیتے رہے۔ نماز کی اقامت البتہ امام کے پیچھے کھڑے ہونے کی بجائے موذن ایک الگ حجرہ نما کمرے سے پڑھتا ہوا سنا گیا۔ نماز کے فوراً بعد چند آیاتِ مخصوصہ کی آواز وہیں سے آتی تھی۔

کوشش نفوذ کی تو ہم نے یہاں بھی کی۔ ایک اور امام مرزا سے ہمارا کچھ دوستانہ ہو گیا تھا۔ یہ صاحب ذرا اخلاص اور گرمجوشی سے ملتے ہیں، ایک کلمہ شریف کا تحفہ دیا۔ یہ صاحب بھی بوسینا سے ہیں، کروشیا والوں میں شاید اخلاص ویسے ہی نا پید ہے جیسے خطہ پوٹھوہار میں۔

مرزا صاحب نے ہمیں گھر پر کھانے کی دعوت دی جو خاصی پر تکلف تھی۔ عمر اِن کی بمشکل 27,26 برس ہوگی۔ ایک بچہ 3 سال کا جو کسی پل ٹکنے کا نام نہیں لے رہا تھا کھانے کے دوران نہ اِسے اجنبی لوگوں سے کچھ جھجک تھی۔ ہم نے بھی اِسکی مداخلت بے جا کو مصنوعی خوش اخلاقی سے برداشت کیا کہ اخلاق حسنہ کا تقاضا یہی تھا۔ مرزا کو اسے سنبھالتے اور روکتے پسینہ آ گیا۔ حضرت خضرؑ کا گذر اگر ہر بستی سے ہو جایا کرے تو کتنے ماں باپ بڑھاپا آسودگی سے کاٹ لیا کریں۔

فیکلٹی آف الیکٹریکل انجینئرنگ اینڈ کمپیوٹنگ

یونیورسٹی آف زیگرب کی اس فیکلٹی کے پروفیسر ڈاکٹر Nanad Debrccin نے ہمارا سپروائزر بننا قبول کیا تھا۔ ایسٹر کی دو چھٹیاں گذار کے 2 اپریل

کو صبح 30-9 پر مسٹر نام فلیٹ پر آ کر ہمیں ساتھ لے گیا۔ ایک بڑے کمرے میں دو کمپیوٹر چالو کر کے ہمارے بیٹھنے اور Internet Connection دے کر ہمارے بہلنے کا بندوبست کر دیا گیا۔
پولیس سٹیشن جا کر اندراج وغیرہ کیلئے کاروائی مکمل، سہ پہر تین بجے ڈاکٹر نیند سے ملاقات ہوئی۔ پہلا ہفتہ Topic کو فائنل کرنے کیلئے رکھا گیا۔ اشتیاق کا Topic تو طے شدہ ہی تھا لیکن میرے معاملے میں کچھ پیچیدگی پیدا ہو گئی جب میں نے اپنی موجودہ Assignment کے حوالے سے پروگرام میں دلچسپی ظاہر کی۔ یہاں چونکہ اس موضوع پر کسی کو تجربہ نہیں تھا اس لئے طے یہ پایا کہ اگلے ہفتے کے دوران میں اپنی موجودہ Activiities، سسٹم اور Interest کے ٹاپک پر ایک پریزینٹیشن دوں جس میں فیکلٹی کے علاوہ بھی لوگ ہوں گے تاکہ کسی نتیجہ پر پہنچنے میں آسانی ہو اور کوئی قابل عمل پروگرام بنایا جا سکے۔
PRESENTATION کی تیاری:۔ اس معاملے میں پھر ایک مشکل پیش آئی کہ Material تو ساتھ نہ لایا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ موضوع بہت واضح نہیں تھا Presentation کے بارے میں توقع بھی نہیں تھی۔ جاوید قادر سے پے درپے رابطہ کر کے چند Chapter لئے، مسعود اقبال صاحب نے البتہ کافی تعاون کیا اور کوریا کے قیام کے آخری مراحل کے باوجود معقول مواد بھیج دیا۔
اشتیاق بخاری صاحب سے بھرپور تعاون کی توقع تھی لیکن وہ سوئے اتفاق سے پورے ہفتے کی چھٹی پر تھے۔ اگلے سوموار کو چند Page ان سے بھی ملے۔ یوں منگل 9۔ اپریل کو Presentation دے دی۔ Sinisa نام کا یہ Researchet کافی فرمانبردار قسم کا ہے۔ اطمینان یہ ہوا کہ یہاں قیام عبث نہیں جائے گا۔

زیگرب میں اہل وطن

یہاں آنے سے پہلے منور صاحب کے دوست رانا اطہر صاحب جو کہ اب دوستوں میں ہی شمار ہو نگے، سے ملاقات ہوئی تھی انہوں نے بتایا تھا کہ زیگرب میں اُنکے کچھ جاننے والے ہیں جن کا پتہ وہ دیں گے۔ دیارِ غیر میں کچھ رابطے ہوں تو بہتر ہی رہتا ہے۔
جب یہاں پہنچ کر رانا صاحب نے اِنکے دعویٰ کی صداقت کا ثبوت چاہا تو کچھ دن کا تگ و دو کے بعد اِنہوں نے بتایا کہ اصل میں جو رابطہ ان کا براہِ راست تھا وہ ایمبیسی کے بوسینا شفٹ ہونے کی وجہ سے اب یہاں موجود نہیں۔ البتہ ایک اور صاحب جن کا نام یوسف انصاری ہے،

اِن سے رابطہ کرلیا جائے۔ یوسف انصاری صاحب۔ایمبیسی والے (رانا صاحب کے دوست) کے دوست بتائے گئے جبکہ رانا اطہر صاحب اِنکو جانتے نہ تھے۔

میں نے رانا صاحب کے اصرار پر ایک E-mail انصاری صاحب کو دے دی اپنا تعارف کروا کے اور کچھ Good Time Sharing کی خواہش کے اظہار کے ساتھ شام کو ہی انصاری صاحب کا فون آ گیا۔ اپارٹمنٹ میں، اور اگلے دن جو کہ 20 اپریل کا تھا۔ملاقات کیلئے طے ہوا۔ دوپہر ایک بجے بمقام ترگ ہان۔ بیلا چیچ۔ہم دونوں پہنچے تو انصاری صاحب اپنے فلیٹ تک لے گئے۔کافی کا دور چلا ڈیک سسٹم بڑا شاندار رکھا ہوا تھا انصاری صاحب سے موسیقی کے ذوق پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے علاوہ اور اصناف کے قوالی کا تذکرہ بھی کیا خصوصاً صابری برادران کا۔ خوشگوار حیرت ہوئی کہ دیارِ غیر میں ایک ہم ذوق نظر آیا۔دو CD اِنکے پاس پڑی تھیں جو کہ سنی گئیں۔ اِسی دوران تذکرہ اس قوالی کے پروگرام کا آیا تو انہوں نے بتایا کہ اِس پروگرام کے آرگنائزر ایک مقامی صاحب ہیں اور وہ ایک پاکستانی اریب اظہر کے دوست ہیں۔اریب اظہر کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ آنیوالے ہی ہیں۔

اریب اظہر سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ ایک سکول میں English پڑھاتے ہیں اور چند مقامی نوجوانوں سے مل کر انہوں نے ایک طائفہ موسیقی کا ترتیب دے رکھا ہے۔ جو مختلف کلبوں اور فنکشن میں پرفارم کرتے ہیں۔اریب اظہر نے بھی صابری برادران کے فن کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار کیا۔

وہیں بیٹھے بیٹھے تذکرہ ایک اور پاکستانی کا تذکرہ آیا جن کا نام ہم لوگوں کو جواد بتایا گیا تھا اور جنکو ہم نے دو اشخاص کے ذریعے پیغام پہنچانے کی کوشش بھی کی تھی، اریب صاحب نے بتایا کہ موصوف اِنکے ساتھ ہی رہائش پذیر ہیں۔فون ملایا گیا اور پٹھان ہونے کے ناطے اشتیاق نے بات کی۔ دوران گفتگو جاوید صاحب (جواد نہیں) نے دعوت طعام دے دی۔ اور فوراً آنے کا کہا، انصاری صاحب کے ہاں سے 4 کے لگ بھگ اُٹھ کر جاوید صاحب کے ہاں پہنچے جہاں اِنکے ایک مصور دوست رابرٹ اور ایک ہندوستانی مسلمان تامل ناڈو کے موجود تھے۔

ٹرام سٹاپ پر ہم جاوید صاحب کو پہچان نہ سکے جب تک کہ اُنہوں نے خود بڑھ کر ہماری طرف پیش قدمی نہ کی۔ یہ صاحب گذشتہ دس سال سے یہاں مقیم ہیں۔میڈیکل کے شعبے میں سلسلہ تعلیم جاری رکھے ہوئے ہیں۔ساتھ کچھ فکرِ معاش کیلئے کاروبار بھی، پشاور سے تعلق لیکن بڑی صاف اُردو بولنے والے، کوئی جھلک پٹھونی کی ان میں نظر نہ آئی۔ مل کر خوشی ہوئی اور مزید خوشی

اِس وقت ہوئی جب اِنہوں نے بھی صابری برادران کے بارے میں تعزیتی جملے کہے۔ ایک CD اِن سے اور ایک اریب اطہر سے ایسی ملیں جو ابھی تک میرے پاس نہیں پہنچی تھیں۔ یہاں بھی دور سماع کا چلتا رہا۔

اریب کے حلقہ احباب میں کچھ لوگ ہیں جو پاکستان اور وہاں کی ثقافت کو متعارف کروانے کی سعی کرتے رہتے ہیں۔ اِن میں سب سے نمایاں تو اِنکے ایک فیملی فرینڈ دانیال ہیں جو پاکستان کے کلچر کے مخفی گوشوں پر کئی ڈاکومنٹری فلمیں بنا چکے ہیں۔ دانیال کے طور اطوار میں مشرقیت کی جھلک واضح طور پر نظر آئی۔

26 اپریل کو یہاں Art-net-Club میں ایک فلم تعارفی پروگرام تھا جسکا موضوع کراچی کے مضافات میں ماہی گیروں کی بستی کی بودوباش اور مسائل کے بارے میں تھا۔ بعد میں اریب کے طائفے نے موسیقی کے چند آئٹم پیش کیے جن میں نصرت کا مشہور آئٹم دم مست قلندر بھی تھا۔ اِس سے پہلے سنا ہے ایک پروگرام پشاور کے رُباب بنانے اور بجانے والوں پر بھی بنایا جا چکا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ زیگرب میں کل تین پاکستانی تھے جن سے ہماری ملاقات ایک ہی دن ہوگئی۔

ہفتہ 4 مئی کو یوسف انصاری صاحب کا فون آیا کہ ایک اور پاکستانی سرفراز صاحب آئے ہوئے ہیں۔ آپ بھی آ جائیں، مجھے اِنکے ہاں جا کر کچھ کیسٹ بھی تیار کرنی تھیں CD سے، موقع غنیمت جان کر دونوں چیزیں لے کر چل پڑے۔

سرفراز صاحب سیلز ڈائریکٹر ہیں کسی Advetising Company کے خاصے عمر رسیدہ اور جہاندیدہ شخص ہیں۔ گفتگو میں حوالے (علمی نہیں شخصی) بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ گفتگو کے دوران اعلیٰ عہدیداروں مثلاً سفیر، سیکرٹری وغیرہ سے ذاتی تعلقات کا عمداً تذکرہ لانا نہیں بھولتے۔ یہ صرف یہاں یعنی پردیس کا کمال ہے کہ مختلف النوع لوگوں کو باوجود متنوع مزاجوں کے، کچھ دیر یا بعض اوقات طویل عرصے کیلئے قریب لے آتا ہے۔ کیونکہ یہاں Choice نہایت محدود بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔

سرفراز کو یہاں آتے ہی کچھ تکلیف ہوگئی تھی۔ شاید یہ بھی وجہ ہو اِنکے رابطے کی مقامی پاکستانیوں سے کیونکہ آتے تو وہ پہلے بھی رہے ہیں لیکن ملے کسی سے نہیں۔ یا پتہ ہی نہیں مل سکا اِنکو کسی کا۔ فیصل آباد میں رہائش ہے مدینہ ٹاؤن، کارڈوں کا تبادلہ ہوا، جولائی میں انہوں نے پاکستان آنا ہے۔ فیصل آباد میں ملاقات کی دعوت دے رہے تھے۔ (جاری ہے)

مکتوبات مجددیہ (ایک تعارف)

تحریر: صوفی عارف سہیل

الحمد للّٰہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین الصطفیٰ اما بعد!

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ سے کون مسلمان واقف نہیں اعلیٰ حضرت کی خدمات اِس اُمت پر بے شمار ہیں یوں تو آپؒ نے دین کے ہر شعبہ میں کام کیا اور آپ نے کتابیں بھی تحریر کیں مگر آپ کی اصل وجہ شہرت آپؒ کے مکتوبات ہیں۔

آپکے مکتوبات (فارسی زبان میں ہیں) علوم و معارف کا خزانہ تصوف و سلوک طریقت اور شریعت کے حقائق و معارف کا مجموعہ۔ اہل علم کی علمی پیاس بجھانے کا سامان بھی ہیں۔

اِن مکتوبات کا اُردو سمیت بہت سی زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اور ان کا فیض الحمد للہ جاری و ساری ہے۔ آپ نے جلد اول میں ۳۱۳ مکتوبات اہل بدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عدد کے موافق رکھے۔

جلد دوم کے مکتوبات کی تعداد 99 حق سبحانہ و تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے مطابق رکھی۔ تیسری جلد کے مکتوبات کی تعداد 114 قرآن پاک کی سورتوں کی تعداد کے موافق رکھی۔

آپکے مکتوبات کی تعریف میں خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے فرمایا کہ ''مکتوبات کے ہر ایک نقطہ سے تازہ نافہ مشک کی طرح وصل جاناں کی لپیٹیں نکل رہی ہیں لیکن جو شخص زکام میں مبتلا ہو گیا ہے، اگر اس کے نتھنے میں پورا نافہ رکھ دیا جائے تب بھی وہ بوئے خوش سے محروم ہی رہے گا میں اب اُس غواضِ بحارِ معارف و اسرار کی مدح سرائی کر کے آفتابِ معارف کو مثل زرہ وجد و رقص میں لاتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مجددؒ کو ایسے پر آشوب دور میں پیدا کیا۔ جب دین اکبری کی صورت میں دین اسلام کو مسخ کیا جا رہا تھا، اہل سنت و الجماعت کے عقیدے کو بگاڑ دیا گیا تھا، گائے کا ذبحہ حرام قرار دیا گیا تھا۔ اکبر بادشاہ کے قریب علمائے سو اکٹھے ہو گئے تھے سجدہ تعظیمی جائز قرار دیا گیا تھا، تصوف و سلوک کو لوگ بڑے عجیب انداز میں پیش کرتے تھے، غرض خوشامد پیشہ لوگوں

نے اکبر کو گھیر رکھا تھا، ابوالفضل وغیرہ مراتب چہارگانہ کی تشکیل وترتیب میں مصروف تھے، اگر کوئی اکبر خوش کرنے کے واسطے اللہ اکبر کی صدا لگاتا تھا تو دوسرا اس کے جواب میں جل جلالہ کہتا تھا۔

حضرت مجدد نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ بے دینوں کی جماعت جو کچھ کر رہی ہے اسلام کے نام پر کر رہی ہے، یہ لوگ حضرات صوفیہ کی اصطلاحات سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے شریعت کو ظاہر اور اپنے الحاد کو باطن کا نام دے کر سادہ لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کردیا۔ اِن بد باطنوں نے حلال وحرام کا امتیاز ہی ختم کردیا بادشاہ کو ظل اللہ کے نام سے صنم اکبر بنالیا۔

مگر یہاں حضرت کے مکتوبات کے حوالے سے لکھنے کی جسارت کروں گا کہ کس طرح آپ نے اپنے مکتوبات میں سلوک کے راہیوں کیلئے آسانیاں لکھی ہیں۔ کس طرح اللہ رب العزت کی معرفت حاصل کی جاسکتی ہے۔ اتباع رسول ﷺ، توحید، اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے بارے میں تفصیلات جو اِس وقت کے علماء اور راہ سلوک میں چلنے والوں کی بتلائی۔ آپ کے مختلف مکتوبات سے بیان کیں جائیں گی۔

عقیدہ اہل سنت والجماعت کی نورانیت اور درستگی عقائد کے بارے میں مکتوبات نمبر 8 میں فرماتے ہیں۔ اپنے آپ کو اور ایسے ہی تمام جہان کو بندہ مخلوق اور غیر قادر جانتا ہے اور خالق و قادر اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھتا ہے اسکے سوا اور کوئی نسبت ثابت نہیں کرتا۔

اور اہل سنت و جماعت کے علمائے ظاہر اگر چہ بعض اعمال میں قاصر ہیں لیکن ذات وصفات الٰہی میں اِنکی درستی عقائد کا جمال اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ وہ کوتاہی اور کمی اِسکے مقابلہ میں ہیچ و ناچیز دکھائی دیتی ہے اور بعض صوفی باوجود ریاضتوں اور مجاہدوں کے چونکہ ذات وصفات میں اس قدر درست عقیدہ نہیں رکھتے۔ وہ جمال ان میں پایا نہیں جاتا اور علماء و طالب علموں سے بہت محبت پیدا ہوگئی ہے اور ان کا طریقہ اچھا معلوم ہوتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ اِن لوگوں کے گروہ میں ہو۔

مکتوب نمبر 9 میں مقام عبدیت تمام مقامات سے بلند ہے فرمایا ہے کہ کیونکہ یہ معنی مقام عبدیت میں کامل اور پورے طور پر پائے جاتے ہیں۔ محبوبوں کو اِس مقام سے مشرف فرماتے

ہیں اور محبِّ مشہود کے ذوق سے لذت پاتے ہیں۔

بندگی میں لذت کا حاصل ہونا اور اس کے ساتھ اُنس پکڑنا محبوبوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ محبوبوں کا اُنس محبوب کی بندگی میں ہے۔

اِس اُنس میں ان کو اس دولت سے مشرت کرتے اور اس نعمت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ اِس دوران کے تیز رفتار شہسوار دین و دنیا کے سردار اور اولین آخرین کے سردار حبیب رب العالمین ﷺ اور جس کسی کو محض اپنے فضل سے یہ دولت بخشنا چاہتے ہیں اسکو آنحضرت ﷺ کی کمال مناسبت عنائیت فرماتے ہیں اور اس وسیلہ سے اُسکو بلند درجہ پر لے جاتے ہیں۔

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم (یہ اللہ کا فضل ہے جسکو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے) کمال شر اور نقص سے مراد اس کا علم ذوقی ہے نہ یہ کہ شرارت و نقص سے متصفہ ہو اِس علم والا اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہے۔ اور یہ علم بھی اِسی تخلق کے ثمروں میں سے ہے۔ شرارت و نقص کو اِس مقام میں کیا مجال ہے سوائے اِسکے کہ علم اس کے متعلق ہو یہ علم شہود تام کی وجہ سے خیر محض ہے کہ جس کے پہلو میں سب کچھ شر دکھائی دیتا ہے یہ معاملہ نفس مطمئنہ کے اپنے مقام پر اتر آنے کے بعد ہے۔ پس بندہ جب تک اس طرح اپنے آپ کو زمین پر نہ ڈالے اور یہ کام یہاں تک نہ پہنچائے اپنے مولا جل شانہ کے کمال سے بے نصیب ہے۔

ایک اور مکتوب میں شیخ بدیع الدین کو لکھا۔

کہ شریعت کا جو حکم (متبدی) کے واسطے ہے وہی حکم منتہی کے واسطے بھی ہے۔ چنانچہ عارفوں کے خاص الخاص اور ایک عام مومن اس معاملہ میں یکساں ہیں۔ عام صوفی اور بے سرانجام ملحد اس کوشش میں ہیں کہ وہ شریعت کے احکام سے آزاد کرلیں۔ اِن کی نظر میں شریعت کے احکام کا تعلق عوام سے ہے اور خواص کیلئے معرفت کا حاصل کرنا ہے۔ یہ لوگ اپنی جہالت سے امراو سلاطین کو مکلف بہ عدل و انصاف سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت کا احکام پر عمل کرنے کا مقصد معرفت ہے جہاں معرفت حاصل ہوئی شریعت کے احکام ساقط ہو گئے انہوں نے ''**واعبد ربك حتى ياتيك اليقين**'' سے استدلال کیا ہے (سورۃ حجر کی آخری

آیت) ''اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین'' ۔ یعنی موت کہ بے شک ہے ۔ انہوں نے یقین سے مراد معرفت لی ہے جیسا کہ سہیل تستریؒ نے کہا ہے ۔ حالانکہ یقینی کا بیان معرفت سے ہے جس نے بھی کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ عبادت کی تکلیف کا احساس اس وقت تک ہوتا ہے جب تک معرفت حاصل نہ ہوئی ہو ۔ معرفت حاصل ہونے پر عبادت میں تکلیف کا احساس نہیں رہتا (بلکہ راحت ملتی ہے) اور جو مطلب اِن لوگوں نے نکالا ہے زندقہ والحاد ہے ۔

یہ لوگ یہ بات بھی کہتے ہیں کہ پیر اس مقصد سے عبادت نہیں کرتا کہ وہ عبادت کا محتاج ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے اتباع اس کو دیکھ کر عبادت کریں ۔

اِن لوگوں نے مشائخ کے اس قول سے استدلال کیا ہے ''جب تک پیر ریا کار نہ ہو مرید اِس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا'' ۔ اِن لوگوں کو اللہ رسوا کرے کیا ہی جاہل ہیں ۔

عبادت کی ضرورت جس قدر عارفوں کو ہے اس کا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو نہیں ۔ کیونکہ عارفوں کے عروجات اور انکے مدارج تقرب وابستہ بہ عبادت واحکام شریعت ہیں ۔ اگر عوام کو اجر ملنے کی توقع قیامت کے دن کی ہے تو عارفوں کو وہ اجر آج ہی نصیب ہے'' ۔

آپ نے شیخ نظام تھانیسری کو لکھا ۔ معتبر افراد سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں ۔ وہ زمین بوسی پر اکتفا نہیں کرتے ۔ اِس فصل کی قباحت اظہر من الشمس ہے آپ اُن کو تاکید کے ساتھ منع کریں ۔

ایسے فعل سے ہر ایک کو بچنا لازم ہے اور خاص کر ایسے شخص کو جو خلق کا مقتدا ہو ۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدیم
کہ دل آزرہ شوی ورنہ سخن بسیار است

مختصر طور پر دل کا دکھڑا آپ کے سامنے بیان کیا ہے کیونکہ مجھ کو کھٹکا ہوا کہ کہیں آپ آزردہ نہ ہوں ورنہ کہنے کو بہت کچھ ہے ۔

آخر میں اللہ ربُ العزت سے دُعا ہے اللہ ربُ العزت مجھ سیاہ کار اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے مقربین میں شامل فرمائے ۔ آمین ثم آمین !

ترانۂ توحیدیہ

ہر وقت تصور ہے تیرا، ہر وقت سرور و مستی ہے

تم خود ہو مجسم میخانہ، آنکھوں سے شراب برستی ہے

ذرا گھونگھٹ رُخ سے اُٹھا جاناں، تیری دید کو آنکھیں ترستی ہیں

بھلا اس میں بگڑتا ہے کیا تیرا میرے دل کی دنیا بستی ہے

ساغر میں کہاں یہ رنگینی، صہبا میں یہ ساقی کیف کہاں

یہ تیری نظر کا صدقہ ہے یہ تیری نظر کی مستی ہے

مخمور جوانی میں کوئی فردوس بداماں آتا ہے

گلشن کی فضائے ہستی میں پھولوں کی شراب برستی ہے

اے جان تمنا حزیں، اے حاصل ایماں حاصل دیں

قربان میں تیرے قدموں پہ کیا دل کیا دل کی ہستی ہے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق و آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں :-
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net